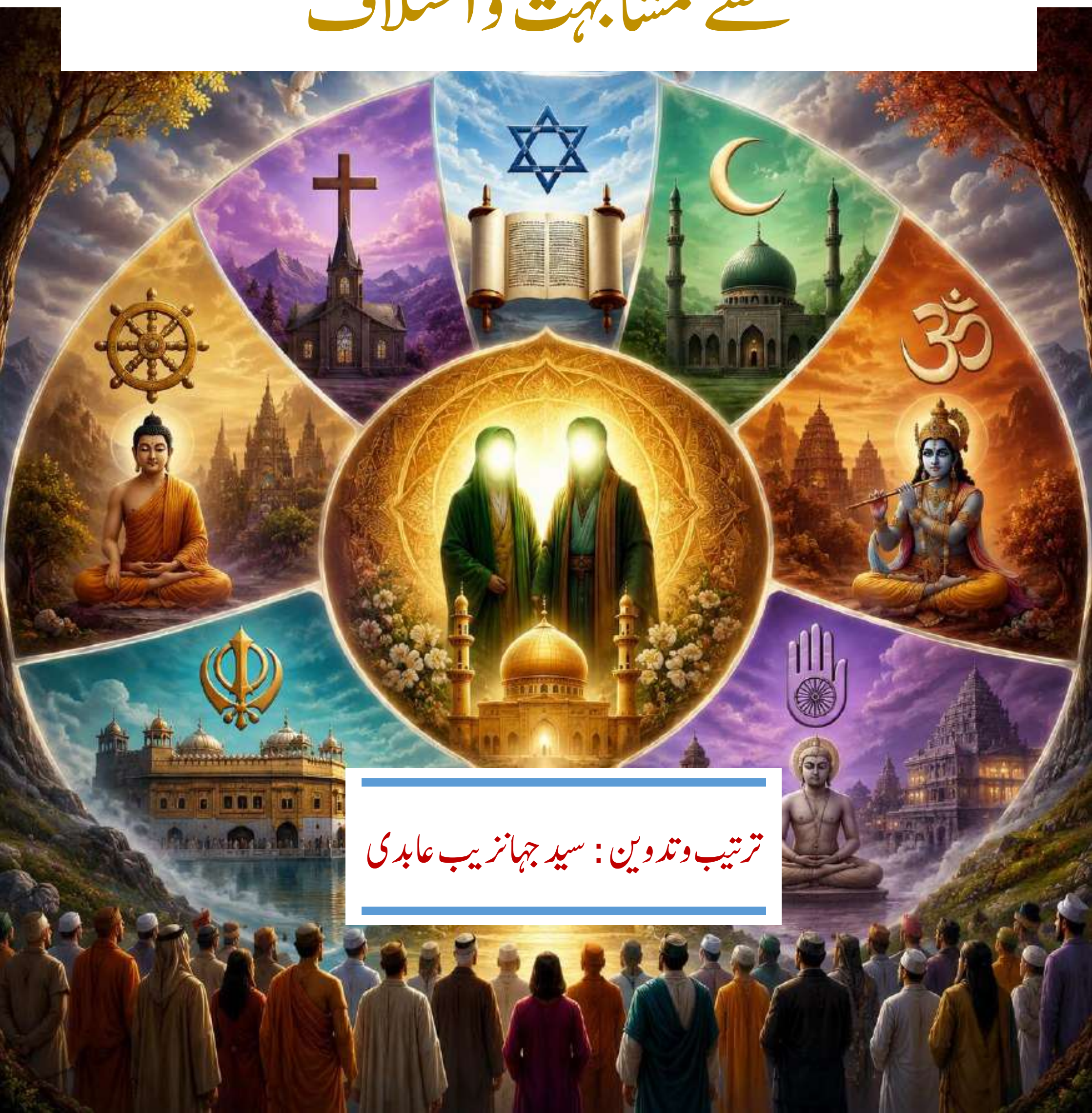
ادیانِ عالم کی ثقلینی تعلیمات

سے مشابہت و اختلاف



بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

تعارف:

یہ دستاویز دنیا کے مختلف ادیان کا ایک تقابلی اور تحقیقی مطالعہ پیش کرتی ہے، جس میں قرآنِ کریم اور اہلِ بیتِ عصمت و طہارت علیہم السلام کی تعلیمات کو بنیادی معیار بنا کر مختلف مذاہب کے عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست اور تمدنی تصورات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد صرف یہ دکھانا نہیں کہ مختلف ادیان میں کون سی تعلیمات مشترک ہیں، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ ہر ظاہری مشابہت حقیقت میں ایک جیسی نہیں ہوتی۔ بعض تعلیمات ایسی ہیں جو اپنے اصل میں وحیِ الٰہی کی باقی ماندہ نشانیاں ہیں، بعض انسانی فطرت کے مشترک تقاضوں کی عکاسی کرتی ہیں، بعض تحریفات اور تاریخی تبدیلیوں کے باعث اپنی اصل صورت سے ہٹ چکی ہیں، جبکہ بعض صرف ظاہری مماثلت رکھتی ہیں لیکن اپنے فلسفے، مقصد اور نتائج کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔

دستاویز کا آغاز اس اصولی بنیاد سے ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء ایک ہی الٰہی سرچشمے سے وابستہ تھے، اس لیے دنیا کے مختلف مذاہب میں پائی جانے والی بعض مشترک تعلیمات اتفاقی نہیں بلکہ ان کی اصل وحیِ الٰہی سے مربوط رہی ہے۔ اسی بنیاد پر مصنف نے تقابلی مطالعے کے لیے ایک منظم معیار قائم کیا ہے، جس کے تحت ہر مذہبی تصور کو کامل مشابہت، جزوی مشابہت اور صرف ظاہری مشابہت جیسے درجات میں تقسیم کرکے جانچا گیا ہے، تاکہ مختلف مذاہب کے درمیان تعلق اور امتیاز دونوں کو علمی انداز میں سمجھا جاسکے۔

اس تحقیقی کاوش میں صرف نظریاتی عقائد تک اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ عبادات، روحانی اعمال، اخلاقی اقدار، خاندانی نظام، عورت کے مقام، علم، معیشت، عدل، حکومت، جہاد، تمدن اور انسانی معاشرے کے مختلف شعبوں کا بھی تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام صرف انفرادی عبادت یا اخلاقی نصیحت کا مذہب نہیں بلکہ ایک ایسا جامع نظامِ حیات ہے جو انسان کی روحانی، فکری، اخلاقی، سماجی، اقتصادی، سیاسی اور تمدنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک مربوط الٰہی نظام میں جمع کرتا ہے۔

دستاویز کے بعد کے حصوں میں دنیا کے بڑے مذاہب، جیسے یہودیت، مسیحیت، زرتشتیت، ہندومت، بدھ مت اور دیگر فکری و مذہبی نظاموں کا انفرادی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر مذہب کے بنیادی عقائد اور عملی تعلیمات کو الگ الگ موضوعات کے تحت قرآن اور اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ ملا کر دیکھا گیا ہے، جس سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کون سے عناصر اپنی اصل میں الٰہی تعلیمات کی باقی ماندہ جھلک ہیں، کن میں تاریخی تحریفات شامل ہو چکی ہیں، اور کن نظریات کی بنیاد اسلامی عقیدۂ توحید، نبوت، امامت اور آخرت سے مختلف ہے۔

مجموعی طور پر یہ دستاویز تقابلی ادیان کے میدان میں ایک منظم، اصولی اور اسلامی زاویۂ نگاہ فراہم کرتی ہے۔ اس کا اسلوب نہ تو محض تاریخی بیان تک محدود ہے اور نہ ہی صرف اختلافات کی فہرست پیش کرتا ہے، بلکہ قرآن و معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ہر مذہبی تصور کی حقیقت، اس کی اصل، اس میں ہونے والی تبدیلیوں اور اسلامی تعلیمات سے اس کے تعلق یا اختلاف کو علمی انداز میں واضح کرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ دستاویز نہ صرف تقابلی مذہبی مطالعات کے طلبہ اور محققین کے لیے مفید ہے بلکہ اسلام کی

جامعیت، سابقہ الٰہی تعلیمات کے ساتھ اس کے ربط، اور انسانی ہدایت کے مکمل الٰہی نظام کو سمجھنے کے لیے بھی ایک اہم علمی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دنیا کے ادیان اور ثقلینی تعلیمات میں مشابہت و اختلاف

پہلا مرحلہ: اصول، معیار اور بنیادی عقائد کا تقابلی جائزہ

دنیا کے مختلف ادیان کا مطالعہ اگر صرف تاریخی یا سماجی زاویے سے کیا جائے تو ان میں بے شمار مشترک عناصر دکھائی دیتے ہیں، لیکن اگر ان کا موازنہ قرآن کریم اور اہل بیتِ عصمت و طہارت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشابہتیں ایک جیسی نوعیت کی نہیں ہیں۔ بعض امور ایسے ہیں جو حقیقتاً ایک ہی الٰہی سرچشمے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مشترک ہیں، بعض وہ ہیں جو اصل حقیقت کی تحریف شدہ شکل ہیں، بعض صرف انسانی فطرت کے تقاضوں کی بنا پر پیدا ہوئے ہیں، اور بعض صرف ظاہری مماثلت رکھتے ہیں جبکہ ان کی روح، غایت اور فلسفہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی مذہب کے کسی عقیدے یا عمل کو صرف ظاہری مشابہت کی بنا پر اسلامی قرار دینا درست نہیں۔ قرآن مجید خود یہ اصول بیان کرتا ہے کہ سابقہ امتوں کو بھی آسمانی ہدایت دی گئی تھی، لیکن زمانے کے ساتھ بہت سی تعلیمات میں تحریف، آمیزش اور انسانی خواہشات کا دخل پیدا ہو گیا۔ اہل بیتؑ کی روایات بھی یہی واضح کرتی ہیں کہ دنیا میں موجود بہت سی حق باتیں دراصل باقی ماندہ آثارِ وحی ہیں، اگرچہ ان کی اصل صورت باقی نہیں رہی۔

اس لیے اس پورے تحقیقی مطالعے میں ہم مشابہت کو تین بنیادی درجات میں تقسیم کریں گے۔

پہلا درجہ "کامل مشابہت" کا ہے، یعنی وہ امور جو قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے تقریباً ہم آہنگ ہیں اور ان کی اصل بھی سابقہ انبیاء کی تعلیمات میں موجود تھی۔
دوسرا درجہ "جزوی مشابہت" کا ہے، یعنی اصل تصور درست ہے لیکن اس کی تعبیر، حدود یا عملی صورت میں انحراف پیدا ہو گیا ہے۔
تیسرا درجہ "صرف ظاہری مشابہت" کا ہے، یعنی بظاہر عمل یا اصطلاح ایک جیسی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا مقصد، فلسفہ، بنیاد اور نتیجہ اسلامی تعلیمات سے مختلف ہوتا ہے۔
یہ تقسیم نہ صرف ادیان کے تقابلی مطالعے کو علمی بناتی ہے بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سابقہ تمام الٰہی تعلیمات کا تسلسل، تکمیل اور تصحیح ہے، نہ کہ ان سے بالکل جدا کوئی نیا نظام۔

الٰہی ادیان کا مشترک سرچشمہ

قرآن کریم کے مطابق حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صل اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء ایک ہی بنیادی دین لے کر آئے تھے۔ اس دین کے بنیادی عقائد میں توحید، نبوت، آخرت، اخلاق، عدل، عبادت، تقویٰ اور انسانی کرامت شامل تھے۔

اسی وجہ سے اگر آج بھی دنیا کے مختلف مذاہب میں ان اصولوں کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان مذاہب کی اصل بنیاد کبھی نہ کبھی وحی الٰہی سے مربوط رہی ہے۔

مثلاً یہودیت میں ایک خدا پر ایمان، مسیحیت میں محبت، زرتشت میں خیر و شر کی کشمکش، ہندو مت میں تزکیۂ نفس کی بعض تعلیمات، بدھ مت میں خواہشات پر قابو پانے کا تصور، کنفیوشس ازم میں اخلاقی ذمہ داری، اور سکھ مت میں خدمت خلق کا جذبہ — یہ سب کسی نہ کسی درجے میں ان فطری حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنہیں اسلام نے اپنی کامل ترین شکل میں محفوظ رکھا۔

توحید: سب سے زیادہ مشترک لیکن سب سے زیادہ مختلف حقیقت

اگر دنیا کے تمام ادیان کا سب سے بنیادی تقابلی موضوع دیکھا جائے تو وہ خدا کا تصور ہے۔
قرآن مجید میں توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ خدا ایک ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خالق، رازق، مالک، حاکم، قانون ساز، معبود، مددگار، شفیع کی اجازت دینے والا، زندگی اور موت دینے والا، سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
یہودیت میں بھی خدا کی وحدانیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اصل تورات میں یہی تعلیم موجود تھی، اس لیے یہاں اسلام سے کافی حد تک حقیقی مشابہت پائی جاتی ہے، اگرچہ بعد کی بعض تحریفات نے خدا کے بارے میں ایسی نسبتیں بھی پیدا کر دیں جو قرآن کے مطابق مناسب نہیں، جیسے بعض مقامات پر خدا کو انسانی صفات کے ساتھ بیان کرنا۔

مسیحیت میں بھی ایک خدا کا تصور موجود ہے لیکن تثلیث کے عقیدے نے اس توحید کی ساخت کو بدل دیا۔ یہاں ظاہری طور پر خدا ایک ہی کہا جاتا ہے لیکن اس ایک خدا کی تعبیر تین اقانیم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لحاظ سے یہاں جزوی مشابہت موجود ہے لیکن عقیدے کی بنیاد اسلامی توحید سے مختلف ہو جاتی ہے۔

زرتشتی مذہب میں اَہورامزدا کو خیر کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے، لیکن خیر و شر کی دو مستقل قوتوں کا تصور اسلامی توحید سے ہم آہنگ نہیں۔

ہندو مت میں صورت حال زیادہ پیچیدہ ہے۔ ویدوں کے بعض حصوں میں ایک اعلیٰ حقیقت یا ایک برتر ہستی کا تصور ملتا ہے، لیکن بعد کی مذہبی روایت میں متعدد دیوی دیوتاؤں کی عبادت نے اس تصور کو مختلف شکل دے دی۔ بعض فلسفیانہ مکاتب میں برہمن کو واحد حقیقت سمجھا جاتا ہے، لیکن عوامی مذہبی عمل میں شرک کی مختلف صورتیں غالب ہو گئیں۔

بدھ مت میں تو روایتی معنوں میں خدا کا تصور ہی مرکزی حیثیت نہیں رکھتا، اس لیے یہاں اسلام کے ساتھ حقیقی مشابہت موجود نہیں بلکہ صرف اخلاقی میدان میں بعض مشترک پہلو ملتے ہیں۔

اس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ "ایک اعلیٰ ہستی" کا تصور بہت سے مذاہب میں موجود ہے، لیکن قرآن کی توحید صرف عددی وحدت نہیں بلکہ وجودی، تشریعی، عبادی، اخلاقی، سیاسی اور تمدنی وحدت بھی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی توحید دنیا کے تمام مذہبی تصورات سے ممتاز ہو جاتی ہے۔

نبوت کا تصور

اسلام میں نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی ہدایت کا مستقل نظام ہے۔
یہودیت نبوت کو تسلیم کرتی ہے، اگرچہ حضرت محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو قبول نہیں کرتی۔
مسیحیت بھی انبیاء کو مانتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو نبوت سے آگے الوہیت یا ابنیت کے تصور سے جوڑ دیتی ہے۔
زرتشتی مذہب حضرت زرتشت کو خدا کا پیغمبر سمجھتا ہے۔
سکھ مت میں گرو صاحبان کو الٰہی ہدایت کے حامل سمجھا جاتا ہے لیکن نبوت کے اسلامی مفہوم میں نہیں۔
بدھ مت میں بدھ کو نجات کا راستہ دکھانے والا استاد سمجھا جاتا ہے، نہ کہ خدا کا نبی۔
کنفیوشس کو بھی اخلاقی معلم سمجھا جاتا ہے، رسول نہیں۔
یہاں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں کسی نہ کسی "ہدایت دینے والی شخصیت" کا تصور موجود ہے۔ لیکن اسلام میں نبی صرف اخلاقی استاد نہیں بلکہ وحی الٰہی کا حامل، قانون دینے والا، معاشرہ تشکیل دینے والا، عدالت قائم کرنے والا، حکومت چلانے والا، انسان کی روحانی ومادی تربیت کرنے والا، اور اللہ کی حجت ہوتا ہے۔
یہی جامع تصور دیگر ادیان میں مکمل طور پر موجود نہیں۔

آخرت کا تصور

آخرت پر ایمان بھی تقریباً تمام بڑے مذاہب میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

یہودیت میں قیامت اور حساب کا تصور موجود ہے۔

مسیحیت میں جنت، جہنم اور ابدی زندگی کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

اسلام میں یہ عقیدہ اپنی سب سے زیادہ تفصیلی، منظم اور عقلی صورت میں موجود ہے۔

زرتشتی مذہب میں بھی مرنے کے بعد جزا و سزا کا تصور ملتا ہے۔

ہندو مت اور بدھ مت میں آخرت کی جگہ تناسخ (Reincarnation) کا نظریہ زیادہ نمایاں ہے، جہاں روح بار بار مختلف جسموں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا بلکہ ایک ہی دنیاوی زندگی، پھر برزخ، پھر قیامت، پھر ابدی انجام کا عقیدہ پیش کرتا ہے۔

یہاں ظاہری مشابہت یہ ہے کہ ہر مذہب انسان کے اعمال کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور بیان کرتا ہے، لیکن اس نتیجے کی نوعیت، فلسفہ اور نظام اسلام سے مختلف ہے۔

دوسرا مرحلہ: عبادات، روحانی اعمال اور عملی زندگی کا تقابلی جائزہ

پہلے مرحلے میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ دنیا کے مختلف ادیان میں پائی جانے والی مشابہتیں ایک جیسی نوعیت کی نہیں ہیں۔ بعض تعلیمات اپنی اصل میں وحیِ الٰہی کی باقی ماندہ جھلک

ہیں، بعض انسانی فطرت کے تقاضوں کا اظہار ہیں اور بعض صرف ظاہری مماثلت رکھتی ہیں۔ اب ہم عملی عبادات اور روحانی نظام کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں، کیونکہ یہی وہ میدان ہے جہاں اکثر لوگوں کو سب سے زیادہ مشابہت محسوس ہوتی ہے، حالانکہ قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات میں کسی بھی عبادت کی اصل قدر اس کی نیت، معرفت، ولایت، اخلاقی اثر اور اجتماعی مقصد سے متعین ہوتی ہے، نہ کہ صرف اس کی ظاہری صورت سے۔

نماز اور عبادت کا تصور

دنیا کے تقریباً تمام بڑے ادیان میں عبادت کا کوئی نہ کوئی منظم طریقہ موجود ہے۔ یہ خود اس حقیقت کی علامت ہے کہ انسان کی فطرت اپنے خالق یا کسی اعلیٰ حقیقت کے سامنے جھکنے کا تقاضا کرتی ہے۔ قرآن اس رجحان کو فطرتِ الٰہی کا حصہ قرار دیتا ہے اور اہل بیتؑ کی روایات میں عبادت کو انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد بیان کیا گیا ہے۔

یہودیت میں روزانہ مخصوص اوقات میں عبادت، مخصوص دعائیں، قبلہ کی طرف رخ، اور جسمانی حرکات جیسے جھکنا اور سجدہ کرنا قدیم روایت کا حصہ رہے ہیں۔ یہ امور اسلامی نماز سے حقیقی مشابہت رکھتے ہیں، کیونکہ ان کی اصل بھی انبیائے بنی اسرائیل کی وحی سے مربوط تھی۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ان کی عملی صورت اور فقہی تفصیلات میں تبدیلیاں آگئیں۔

مسیحیت میں ابتدائی دور میں نماز اور سجدے کا رواج موجود تھا، لیکن بعد میں اجتماعی عبادت کا مرکز کلیسائی رسومات، اجتماعی دعاؤں اور مقدس عشائے ربانی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگرچہ دعا، تسبیح اور خدا سے مناجات باقی رہی، لیکن نماز کا وہ منظم، روزانہ متعدد اوقات پر مشتمل نظام باقی نہ رہا جو اسلام میں محفوظ ہے۔

ہندو مت میں پوجا، آرتی، منتر، یوگ اور مختلف دیوتاؤں کے سامنے عبادت کی متعدد شکلیں موجود ہیں۔ ظاہری طور پر عبادت کا عنصر مشترک معلوم ہوتا ہے، لیکن چونکہ عبادت کا مرکز متعدد معبود یا ان کی مورتیاں ہیں، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ صرف ظاہری مشابہت ہے۔

بدھ مت میں مراقبہ، خاموشی، ذہنی یکسوئی اور اخلاقی تربیت اہم ہیں، لیکن یہ عبادت کسی خالق کی بندگی کے بجائے داخلی بیداری اور معرفت کے حصول کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے مراقبے کی ظاہری صورت اسلام کے بعض عرفانی اعمال سے ملتی جلتی ہو سکتی ہے، مگر مقصد اور مابعد الطبیعیاتی بنیاد مختلف ہے۔

اسلام میں نماز صرف انفرادی عبادت نہیں بلکہ توحید، بندگی، اجتماعی نظم، مساوات، وقت کی پابندی، اخلاقی اصلاح، روحانی تزکیہ اور سماجی وحدت کا جامع نظام ہے۔ اہل بیتؑ نے نماز کو "معراج المؤمن" قرار دے کر واضح کیا کہ اس کا مقصد صرف الفاظ کی ادائیگی نہیں بلکہ بندے کا شعوری طور پر خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔

روزہ اور نفس کی تربیت

روزہ تقریباً ہر بڑے مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خواہشات پر قابو پانا انسانی روحانی ارتقا کا مشترک اصول ہے۔

یہودیت میں یومِ کفارہ سمیت کئی مواقع پر روزے رکھے جاتے ہیں۔ مسیحیت میں بھی لینٹ (Lent) کے دوران مختلف اقسام کے روزے اور پرہیز اختیار کیا جاتا ہے۔ مشرقی کلیساؤں میں یہ روایت آج بھی نسبتاً مضبوط ہے۔

بدھ مت میں راہب کھانے کے مخصوص اوقات کی پابندی کرتے ہیں اور خواہشات کو محدود کرنے کی مشق کرتے ہیں۔ ہندو مت میں مختلف تہواروں اور دیوتاؤں کی نسبت سے روزے رکھے جاتے ہیں۔

یہ تمام صورتیں جزوی مشابہت رکھتی ہیں، لیکن اسلام میں روزہ صرف بھوک اور پیاس کا نام نہیں۔ قرآن روزے کا مقصد تقویٰ قرار دیتا ہے، جبکہ اہل بیتؑ فرماتے ہیں کہ زبان، آنکھ، کان، دل اور تمام اعضا کا بھی روزہ ہونا چاہیے۔ اس طرح اسلامی روزہ جسم، نفس، عقل، اخلاق، معاشرت اور خدا سے تعلق کو بیک وقت منظم کرتا ہے۔

حج اور مقدس سفر

انسانی تاریخ میں مقدس مقامات کی زیارت تقریباً ہر مذہب میں موجود رہی ہے۔

یہودیت میں قدیم زمانے میں بیت المقدس کی زیارت مذہبی فریضہ تھی۔

مسیحیت میں یروشلم، بیت اللحم، ویٹی کن اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کا رواج ہے۔

ہندو مت میں گنگا، کاشی، متھرا اور دیگر مقامات کی یاترا مذہبی اہمیت رکھتی ہے۔

بدھ مت میں بودھ گیا اور دیگر تاریخی مقامات کی زیارت کی جاتی ہے۔

یہ تمام اعمال اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان مقدس مقامات کے ذریعے اپنی روحانی وابستگی کو مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اسلامی حج ان تمام زیارتوں سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی توحیدی جدوجہد کی تجدید ہے۔ اس میں لباس کی مساوات، نسل و قوم کی نفی، عالمی اسلامی وحدت، اقتصادی مساوات، سیاسی شعور، شیطان سے براءت، قربانی، عرفات میں وقوف، مشعر میں شعور اور منیٰ میں عملی عزم سب ایک ہی عبادت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اہل بیتؑ نے حج کو اسلام کی عالمی اجتماعیت اور امت کی حیات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قربانی کا تصور

قربانی تقریباً تمام قدیم مذاہب میں موجود رہی ہے۔

یہودیت میں جانوروں کی قربانی معبد کی عبادت کا اہم حصہ تھی۔

قدیم مسیحیت میں حضرت عیسیٰؑ کو آخری قربانی قرار دے کر حیوانی قربانی کی اہمیت کم ہو گئی۔

ہندو مت کی بعض قدیم روایات میں بھی قربانی کی مختلف شکلیں ملتی ہیں، اگرچہ آج بہت سے مکاتب اسے ترک کر چکے ہیں۔

اسلام میں قربانی صرف جانور ذبح کرنے کا عمل نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی کامل اطاعت، ایثار اور رضائے الٰہی کی یادگار ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ نہ گوشت اللہ تک پہنچتا ہے نہ خون، بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس لیے اگر قربانی صرف رسم بن جائے تو اس کی روح باقی نہیں رہتی۔

دعا، مناجات اور ذکر

ہر مذہب میں دعا کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

یہودی مزامیر، مسیحی دعائیں، بدھ مت کے منتر، ہندو مت کے جاپ، سکھ مت کی بانی اور دیگر مذہبی اذکار اس حقیقت کی علامت ہیں کہ انسان اپنے سے برتر حقیقت سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

اسلام میں دعا صرف حاجت طلبی نہیں بلکہ معرفت، محبت، بندگی، تربیت، خود احتسابی، امید، خوف، شکر اور اخلاقی ارتقا کا جامع نظام ہے۔ اہل بیتؑ کی دعائیں، خصوصاً صحیفۂ سجادیہ، دعائے کمیل، مناجات شعبانیہ اور دعائے عرفہ اس اعتبار سے دنیا کے روحانی ادب میں منفرد مقام رکھتی ہیں، کیونکہ ان میں عقیدہ، اخلاق، عرفان، سیاست، سماج، تعلیم اور انسان شناسی ایک ہی دعا میں جمع ہو جاتے ہیں۔

تسبیح اور ذکرِ الٰہی

تقریباً ہر مذہب میں ذکر یا تکراری عبادت موجود ہے۔

ہندو مت میں مالا کے ذریعے منتر پڑھے جاتے ہیں۔

بدھ مت میں بھی تسبیح نما دانوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

مسیحیت میں روزری (Rosary) کے ذریعے مخصوص دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔

سکھ مت میں نام سِمرَن کی روایت ہے۔

اسلام میں بھی تسبیح موجود ہے، لیکن اہل بیتؑ نے ذکر کو محض زبان کی حرکت نہیں بلکہ دائمی شعورِ خدا، مسلسل اطاعت اور قلبی بیداری قرار دیا ہے۔ اسی لیے حضرت فاطمہ زہراؑ کی تسبیح کو عظیم روحانی تربیت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

اعتکاف، خلوت اور تنہائی

تقریباً ہر مذہب میں کسی نہ کسی درجے کی خلوت یا گوشہ نشینی موجود ہے۔

بدھ راہب جنگلات اور خانقاہوں میں مراقبہ کرتے ہیں۔

مسیحی راہب خانقاہی زندگی اختیار کرتے ہیں۔

ہندو سادھو جنگلوں میں ریاضت کرتے ہیں۔

اسلام بھی اعتکاف کو مشروع قرار دیتا ہے، لیکن یہاں ایک بنیادی فرق سامنے آتا ہے۔ قرآن راہبانیت کو بطور مستقل نظام پسند نہیں کرتا، بلکہ اعتکاف کو محدود مدت کی روحانی

تربیت قرار دیتا ہے تاکہ انسان معاشرے میں واپس جا کر اصلاح، خدمت اور عدل کے قیام میں کردار ادا کرے۔ اہل بیتؑ کی سیرت میں عبادت کبھی سماجی ذمہ داری سے جدا نہیں ہوتی۔

خدمتِ خلق

تقریباً تمام مذاہب میں انسانوں کی خدمت کو نیکی سمجھا جاتا ہے، لیکن اسلام میں خدمتِ خلق صرف انسانی ہمدردی نہیں بلکہ عبادت، تقربِ الٰہی، عدلِ اجتماعی اور حقوق العباد کی ادائیگی کا حصہ ہے۔ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں بھوکے کو کھانا کھلانا، یتیم کی کفالت، بیمار کی عیادت، مقروض کی مدد اور مظلوم کی حمایت عبادت کے برابر شمار کیے گئے ہیں۔ اس طرح خدمتِ خلق محض رفاہی سرگرمی نہیں بلکہ بندگیِ خدا کی عملی تعبیر بن جاتی ہے۔

تیسرا مرحلہ: اخلاق، خاندانی نظام، معاشرت، معیشت، سیاست اور تمدن کا تقابلی جائزہ

پچھلے دو مراحل میں بنیادی عقائد اور عبادات کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا۔ اب ہم انسانی زندگی کے ان شعبوں کا مطالعہ کریں گے جو تہذیب و تمدن کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہی وہ میدان ہے جہاں قرآن کریم اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی جامعیت سب سے

زیادہ نمایاں ہوتی ہے، کیونکہ اکثر ادیان میں روحانیت اور اخلاق تو کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں، لیکن مکمل معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور تمدنی نظام بہت کم مذاہب میں اپنی اصل صورت میں باقی رہا ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انسان کی انفرادی اصلاح کو اجتماعی نظام سے جدا نہیں کیا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کا لازمی حصہ قرار دیا۔

اخلاق کا عالمی اشتراک اور اسلامی امتیاز

اگر دنیا کے تمام ادیان کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقی تعلیمات سب سے زیادہ مشترک میدان ہے۔ سچ بولنا، امانت داری، والدین کا احترام، ظلم سے اجتناب، احسان، سخاوت، رحم، صبر، شکر، عاجزی، حسنِ سلوک اور دوسروں کی مدد جیسے اصول تقریباً ہر بڑے مذہب میں موجود ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اخلاق انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے اور تمام انبیائے الٰہی نے اسی فطرت کی آبیاری کی۔

یہودیت میں دس احکام (Ten Commandments) کے ذریعے جھوٹ، چوری، قتل اور والدین کی نافرمانی سے روکا گیا۔ مسیحیت میں حضرت عیسیٰؑ نے محبت، معافی اور رحم پر غیر معمولی زور دیا۔ بدھ مت نے عدمِ تشدد، ضبطِ نفس اور ہمدردی کو بنیادی اخلاق قرار دیا۔ کنفیوشس نے خاندانی احترام، معاشرتی آداب اور ذمہ داری کو انسانی عظمت کی بنیاد بتایا۔ سکھ مت نے خدمت، مساوات اور دیانت داری کو اپنی مذہبی شناخت کا حصہ بنایا۔

یہ تمام اصول قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات سے جزوی یا بڑی حد تک ہم آہنگ ہیں، لیکن اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اخلاق کو صرف سماجی ضرورت یا روحانی فضیلت نہیں بلکہ قربِ الٰہی کا راستہ قرار دیتا ہے۔ اہل بیتؑ کی روایات میں حسنِ خلق کو ایمان کا معیار اور عبادت کی روح بتایا گیا ہے۔ اس طرح اسلام میں اخلاق، عقیدہ، عبادت اور قانون ایک دوسرے سے جدا نہیں رہتے۔

محبت اور عفو

مسیحیت کی نمایاں تعلیمات میں دشمن سے محبت اور معافی کا تصور بہت معروف ہے۔ اسلام بھی عفو و درگزر کی بھرپور تعلیم دیتا ہے۔ قرآن بارہا معاف کرنے، غصہ پی جانے اور اصلاح کی ترغیب دیتا ہے۔ اہل بیتؑ کی عملی زندگی اس کی روشن مثال ہے، خصوصاً امام حسن مجتبیٰؑ اور امام زین العابدینؑ کی سیرت میں۔

لیکن اسلام اس مقام پر ایک توازن قائم کرتا ہے۔ جہاں ذاتی حق ہو وہاں معافی افضل ہو سکتی ہے، لیکن جہاں ظلم اجتماعی ہو، حقوقِ عامہ پامال ہو رہے ہوں یا باطل نظام قائم ہو، وہاں خاموشی کو فضیلت نہیں سمجھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا میں ظلم کے سامنے قیام کیا۔ اس اعتبار سے اسلام میں محبت اور عدل ایک دوسرے کے مقابل نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں۔

خاندانی نظام

تقریباً تمام ادیان خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی تسلیم کرتے ہیں۔
یہودیت میں خاندان مذہبی شناخت کی بنیاد ہے۔
مسیحیت میں بھی شادی کو مقدس عہد سمجھا جاتا ہے۔
ہندومت میں خاندان اور نسل کا تسلسل اہم مذہبی قدر ہے۔
کنفیوشس ازم میں والدین کی اطاعت اور بزرگوں کا احترام پورے اخلاقی نظام کی بنیاد ہے۔

اسلام ان تمام مثبت پہلوؤں کی تائید کرتا ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر خاندان کو ایک تربیتی ادارہ، اخلاقی مدرسہ، اقتصادی اکائی، محبت کا مرکز اور نسلِ انسانی کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں میاں بیوی، والدین، اولاد، بہن بھائی، ہمسایوں اور رشتہ داروں کے حقوق کو انتہائی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جو دنیا کے اکثر مذہبی متون میں اس جامعیت کے ساتھ موجود نہیں۔

عورت کا مقام

دنیا کے مختلف ادیان میں عورت کے مقام کے بارے میں متنوع تصورات ملتے ہیں۔
بعض قدیم مذہبی روایات میں عورت کو گناہ کا بنیادی سبب قرار دیا گیا۔
بعض تہذیبوں میں اسے مذہبی رسومات سے دور رکھا گیا۔

بعض فلسفیانہ مکاتب نے اسے روحانی ترقی میں مرد سے کمتر سمجھا۔
اسلام نے اس تصور کی اصلاح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مرد اور عورت دونوں اللہ کے نزدیک انسانی کرامت، تقویٰ، قربِ الٰہی اور اخروی جزا کے اعتبار سے برابر ہیں۔ فرق صرف ذمہ داریوں اور بعض عملی احکام میں ہے۔ اہل بیتؑ کی سیرت میں حضرت خدیجہؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت زینبؑ اور دیگر خواتین کو علمی، روحانی، سماجی اور تمدنی نمونوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
یہاں اسلام کی مشابہت بعض جدید انسانی حقوق کے تصورات سے بظاہر محسوس ہوتی ہے، لیکن بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام مساوات کو فطرت، ذمہ داری اور عدل کے ساتھ مربوط کرتا ہے، نہ کہ محض یکسانیت کے ساتھ۔

علم کا مقام

تقریباً ہر مذہب میں علم کو کسی نہ کسی درجے میں اہمیت حاصل ہے۔
بدھ مت میں معرفت کو نجات کا ذریعہ سمجھا گیا۔
کنفیوشس نے تعلیم کو معاشرتی ترقی کی بنیاد قرار دیا۔
یہودیت میں دینی تعلیم کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی۔
اسلام میں علم صرف دینی یا صرف دنیاوی نہیں بلکہ ہر وہ علم مطلوب ہے جو انسان کو حقیقت، عدل، خداشناسی اور انسانیت کی خدمت کے قریب کرے۔ قرآن کا آغاز ہی

"اقرأ" سے ہوتا ہے اور اہل بیتؑ نے علم کو عبادت سے بھی بلند قرار دیا جب وہ انسان اور معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنے۔
اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ علم کو اخلاق، تقویٰ، عمل اور حکمت سے جدا نہیں کیا جاتا۔

معاشی نظام

یہ وہ میدان ہے جہاں اسلام کی جامعیت نمایاں ہو جاتی ہے۔
یہودیت میں تجارت اور مالی قوانین کی تفصیل موجود ہے۔
مسیحیت کی ابتدائی تعلیمات میں زہد اور مال سے بے رغبتی پر زور تھا، بعد میں مختلف معاشی نظریات پیدا ہوئے۔
بدھ مت میں دنیاوی خواہشات کو کم کرنے کی تعلیم دی گئی۔
ہندو مت میں معاشی سرگرمی کو ذات پات کے نظام سے جوڑا گیا۔
اسلام نے معیشت کو عبادت اور عدل کا حصہ بنایا۔ تجارت کو پسند کیا، سود کو حرام قرار دیا، زکوٰۃ، خمس، وقف، صدقات، قرضِ حسنہ، وراثت، یتیموں کے حقوق، مزدور کے حقوق، احتکار کی ممانعت، بازار کی نگرانی اور دولت کی گردش جیسے اصول قائم کیے۔ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں معاشی انصاف کو حکومت کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔
یہ جامع معاشی ڈھانچہ اپنی موجودہ شکل میں دیگر ادیان میں محفوظ نہیں رہا۔

عدل کا تصور

تمام مذاہب کسی نہ کسی درجے میں انصاف کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن اسلام میں عدل صرف اخلاقی صفت نہیں بلکہ کائنات، شریعت، حکومت، عدالت، معیشت، تعلیم، خاندان اور سیاست کی بنیاد ہے۔

اہل بیتؑ خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی حکومت اس اصول کی عملی تفسیر ہے۔ ان کے خطوط اور فرامین میں عدل کو حکومت کے ہر شعبے کی روح قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عدل عبادت سے بھی وسیع تر اجتماعی اصول بن جاتا ہے۔

سیاست اور حکومت

یہ اسلام اور اکثر ادیان کے درمیان سب سے نمایاں فرق ہے۔

بدھ مت بنیادی طور پر فرد کی داخلی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔

کنفیوشس ازم اخلاقی حکومت کی بات کرتا ہے لیکن اسے وحی سے نہیں جوڑتا۔

مسیحیت کی طویل تاریخ میں مذہب اور ریاست کے تعلق کے مختلف نظریات سامنے آئے، لیکن حضرت عیسیٰؑ نے باقاعدہ ریاست قائم نہیں کی۔

یہودیت میں اگرچہ انبیاء کی حکومت کی مثالیں موجود ہیں، لیکن بعد کی مذہبی روایت میں اس کا تسلسل باقی نہ رہا۔

اسلام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ریاست قائم کی، قانون نافذ کیا، عدالت قائم کی، معاہدات کیے، جنگ و امن کے فیصلے کیے، اقتصادی نظام مرتب کیا اور بین الاقوامی تعلقات قائم کیے۔ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں حکومت صرف اقتدار نہیں بلکہ امانت، عدل، خدمت، علم، تقویٰ اور الٰہی ذمہ داری ہے۔

یہ وہ جامع سیاسی تصور ہے جو دنیا کے بیشتر مذاہب میں اپنی اصل شکل میں موجود نہیں۔

جہاد کا تصور

دنیا کی اکثر مذہبی روایات میں خیر و شر کی جدوجہد کا تصور موجود ہے۔

زرتشتی مذہب خیر اور شر کی کشمکش بیان کرتا ہے۔

بدھ مت نفس کے خلاف جدوجہد پر زور دیتا ہے۔

مسیحیت میں روحانی جنگ (Spiritual Warfare) کا تصور موجود ہے۔

اسلام ان تمام جہتوں کو جمع کرتا ہے۔ اہل بیتؑ نے سب سے بڑے جہاد کو نفس کے خلاف جہاد قرار دیا، لیکن ساتھ ہی ظلم، جارحیت اور فساد کے مقابلے میں دفاعی اور عادلانہ اجتماعی جہاد کو بھی مشروع قرار دیا۔ اس طرح جہاد صرف جنگ نہیں بلکہ انسان کی ہر سطح پر حق کی خاطر جدوجہد کا نام ہے۔

تمدن اور تہذیب

اکثر مذاہب بنیادی طور پر عبادت یا اخلاق تک محدود رہے، جبکہ اسلام نے ایک مکمل تہذیب کی بنیاد رکھی جس میں تعلیم، قانون، فنِ تعمیر، طب، تجارت، سائنس، فلسفہ، عدلیہ، سیاست، معیشت، بین الاقوامی تعلقات، جنگ، صلح، ماحولیات اور ثقافت سب شامل ہیں۔

اہل بیتؑ کی تعلیمات نے اس تمدنی تصور کو مزید گہرائی دی، جہاں انسان کی روحانی تکمیل اور معاشرتی عدل ایک ہی مقصد کے دو رخ بن جاتے ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ اول: یہودیت (Judaism)

یہودیت دنیا کے قدیم ترین الٰہی ادیان میں سے ایک ہے اور قرآن کریم کے مطابق حضرت موسیٰؑ پر نازل ہونے والی تورات اپنی اصل میں اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں آنے والے متعدد انبیاء بھی اللہ کے برگزیدہ رسول تھے۔ اس لیے اگر دنیا کے موجودہ مذاہب میں اسلام سے سب سے زیادہ حقیقی مشابہت تلاش کی جائے تو اس کا ایک بڑا حصہ یہودیت میں ملتا ہے، کیونکہ دونوں کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے۔ البتہ قرآن بار بار اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ بعد کے ادوار میں تحریف، تاویلِ باطل، دنیا پرستی اور مذہبی طبقے کی بعض غلطیوں نے اصل تعلیمات کو متاثر کیا۔

لہٰذا موجودہ یہودیت میں ایسی تعلیمات بھی موجود ہیں جو مکمل طور پر اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں، ایسی بھی ہیں جو صرف جزوی طور پر موافق ہیں، اور کچھ ایسی بھی ہیں جو صرف ظاہری مشابہت رکھتی ہیں۔

توحید

یہودیت کا سب سے مضبوط پہلو خدا کی وحدانیت پر ایمان ہے۔ تورات کی اصل تعلیمات میں اللہ کو واحد معبود، خالق اور رب کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہی وہ بنیادی عقیدہ ہے جس کی اسلام بھی دعوت دیتا ہے۔

یہ اسلام سے کامل مشابہت رکھتا ہے۔

لیکن موجودہ یہودی مذہبی ادب میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات بیان ہوئی ہیں جن میں انسانی اوصاف کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے، مثلاً اللہ کے آرام کرنے، پشیمان ہونے یا کشتی لڑنے جیسے بیانات۔ قرآن اللہ کو ان تمام جسمانی اور بشری صفات سے منزہ قرار دیتا ہے۔

یہاں مشابہت جزوی رہ جاتی ہے۔

نبوت

یہودیت حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دیگر انبیاء کو مانتی ہے۔

یہ اسلام سے کامل مشابہت ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰؑ اور خصوصاً رسول اکرم حضرت محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نبوت کا سلسلہ اسلامی تصور سے مختلف ہو جاتا ہے۔
یہ بنیادی اختلاف ہے۔

عبادت

یہودیت میں روزانہ عبادت، مخصوص اوقات، قبلہ کی طرف رخ، سجدہ، رکوع، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقدس الفاظ کی تلاوت جیسی عبادات موجود ہیں۔
یہ تمام امور اسلام سے حقیقی مشابہت رکھتے ہیں کیونکہ ان کی اصل بھی انبیائے الٰہی کی تعلیمات تھیں۔
لیکن آج ان کی عملی شکل اسلامی نماز سے مختلف ہے۔

روزہ

یومِ کفارہ سمیت متعدد روزے یہودیت میں موجود ہیں۔
یہ روزے نفس کی اصلاح، توبہ اور خدا کی رضا کے لیے رکھے جاتے ہیں۔
یہ تصور اسلام سے جزوی طور پر مکمل مشابہ ہے۔
فرق یہ ہے کہ اسلام نے رمضان کے پورے نظام، سحری، افطار، اجتماعی عبادت اور تقویٰ کے جامع فلسفے کو محفوظ رکھا۔

زکوٰۃ اور صدقہ

یہودیت میں "تزداکہ (Tzedakah) "کے نام سے غریبوں کی مدد ایک اہم دینی فریضہ سمجھی جاتی ہے۔

یہ اسلام کے صدقہ اور زکوٰۃ سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔

لیکن اسلام نے اسے مکمل قانونی اور اقتصادی نظام کی شکل دی۔

قربانی

قدیم یہودیت میں جانوروں کی قربانی معبد کی عبادت کا اہم حصہ تھی۔

یہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت سے مربوط ہونے کی وجہ سے اسلام سے کامل تاریخی مشابہت رکھتی ہے۔

البتہ معبد کی تباہی کے بعد یہ روایت تقریباً ختم ہو گئی۔

پاکیزگی اور طہارت

وضو، غسل، مخصوص غذائی قوانین، نجاست سے اجتناب اور پاکیزگی کے متعدد احکام یہودیت میں موجود ہیں۔

یہ اسلام سے نمایاں مشابہت رکھتے ہیں۔

اسلام نے ان احکام کو زیادہ جامع، متوازن اور عمومی بنادیا۔

حلال غذا

یہودیت میں "کوشر (Kosher) "غذا کا تصور موجود ہے۔

جانور ذبح کرنے کے مخصوص اصول، خون سے اجتناب اور بعض جانوروں کی حرمت اسلام کے حلال نظام سے کافی حد تک مشابہ ہے۔
یہ جزوی سے قریب تر کامل مشابہت ہے۔

خاندانی نظام

والدین کا احترام، نکاح، نسب کی حفاظت، بچوں کی تربیت اور خاندان کی اہمیت یہودیت میں بہت مضبوط ہے۔
یہ اسلام سے بڑی حد تک مکمل مشابہ ہے۔

عدل

حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں عدالت، گواہی، مالی حقوق اور مظلوم کی مدد پر بہت زور دیا گیا۔
یہ اسلام کے عدل کے تصور سے حقیقی مشابہت رکھتا ہے۔
البتہ اسلام نے عدل کو صرف عدالتی مسئلہ نہیں بلکہ پورے تمدن کی بنیاد قرار دیا۔

علم

یہودی روایت میں تعلیم حاصل کرنا عبادت سمجھا جاتا ہے۔
علماء کی عزت کی جاتی ہے۔
یہ اسلام سے کافی حد تک مشابہ ہے۔

فرق یہ ہے کہ اہل بیتؑ کی تعلیمات میں علم کا دائرہ صرف مذہبی علوم تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات کی معرفت تک وسیع ہو جاتا ہے۔

اجتماعی نظم

یہودیت میں مذہبی عدالتیں، اجتماعی عبادت، تہوار اور قانونی نظام موجود رہے ہیں۔
یہ اسلام سے جزوی مشابہت رکھتے ہیں۔
اسلام نے انہیں عالمی امت اور ریاستی نظام کی صورت میں وسعت دی۔

انتظارِ موعود

یہودیت میں بھی آنے والے نجات دہندہ (Messiah) کا تصور موجود ہے۔
یہ اسلام میں امام مہدیؑ کے عقیدے سے جزوی مشابہت رکھتا ہے۔
لیکن شخصیت، صفات، نسب، عالمی حکومت اور کردار کے بارے میں دونوں مذاہب میں بنیادی اختلافات ہیں۔

اخلاق

سچائی، امانت، رحم، والدین کی عزت، غریبوں کی مدد، عدل، جھوٹ سے اجتناب اور قتل کی حرمت جیسی تعلیمات اسلام سے تقریباً مکمل مشابہت رکھتی ہیں۔
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اخلاقی اصول تمام انبیائے الٰہی میں مشترک تھے۔

وہ امور جو صرف ظاہری مشابہت رکھتے ہیں

بعض مذہبی لباس، بعض رسوم، بعض نسلی امتیازات، مذہبی شناخت کے بعض طریقے اور بعض فقہی سختیاں بظاہر اسلامی احکام سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہیں، لیکن ان کی بنیاد، فلسفہ اور شرعی حیثیت مختلف ہے۔

اسی طرح بعض یہودی مذہبی روایات میں "قومِ برگزیدہ" کا ایسا تصور ملتا ہے جو بعض اوقات نسلی برتری کا مفہوم اختیار کرلیتا ہے، جبکہ قرآن کے مطابق برتری صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے، نسل یا قوم کی بنیاد پر نہیں۔

مجموعی تجزیہ

اگر موجودہ دنیا کے مذاہب میں صرف مشترک الٰہی تعلیمات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہودیت اسلام کے سب سے قریب نظر آتی ہے، کیونکہ دونوں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی توحیدی روایت سے مربوط ہیں۔ تاہم قرآن کے مطابق نبوتِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار، بعض تحریفات، بعض اعتقادی تبدیلیاں اور شریعت کے بعض انحرافات نے اس قربت کو محدود کر دیا ہے۔ اس کے باوجود عبادت، طہارت، قانون، اخلاق، خاندان، عدل، روزہ، قربانی، صدقہ اور خدا پر ایمان جیسے بہت سے شعبوں میں آج بھی ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اصل وحیِ الٰہی کی باقی ماندہ جھلک معلوم ہوتی ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ دوم: مسیحیت (Christianity)

مسیحیت دنیا کے سب سے زیادہ پیروکار رکھنے والے ادیان میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے عظیم رسول، اولوالعزم انبیاء میں سے ایک، صاحبِ معجزات اور حضرت مریمؑ کے پاکیزہ فرزند کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح انجیل کو اپنی اصل میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام اور مسیحیت کا مشترک سرچشمہ وحیِ الٰہی ہے۔ تاہم قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات کے بعد عقائد، الٰہیات اور بعض عملی نظاموں میں ایسی تبدیلیاں آئیں جنہوں نے موجودہ مسیحیت کو اس کی ابتدائی صورت سے مختلف کر دیا۔

اس لیے موجودہ مسیحیت میں بھی بعض تعلیمات قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات سے مکمل مشابہ ہیں، بعض جزوی مشابہ ہیں، اور بعض صرف ظاہری مشابہت رکھتی ہیں۔

اللہ پر ایمان

تمام بڑے مسیحی مکاتب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ کائنات کا خالق ایک ہی خدا ہے۔
یہ اصل تعلیم حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کا بھی بنیادی حصہ تھی۔
یہ تصور اسلام سے کامل مشابہت رکھتا ہے۔

لیکن بعد میں تثلیث (Trinity) کا نظریہ، جس میں باپ، بیٹا اور روح القدس کو ایک الٰہی حقیقت کے تین اقانیم کہا جاتا ہے، اسلامی توحید سے مختلف ہے۔ اگرچہ اکثر مسیحی تین خداؤں کے قائل نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی خدا کی تثلیثی تعبیر پیش کرتے ہیں، تاہم قرآن اس تعبیر کو توحید کی صحیح شکل قرار نہیں دیتا۔

لہٰذا موجودہ مسیحی الٰہیات میں توحید کی اصل موجود ہے، لیکن اس کی تعبیر اسلامی عقیدے سے مختلف ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام

اسلام حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا عظیم رسول، کلمۃ اللہ، روحٌ منہ، صاحبِ معجزات اور حضرت مریمؑ کے پاکیزہ فرزند کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔

یہ مسیحیت سے بہت بڑی مشترک بنیاد ہے۔

فرق یہ ہے کہ اسلام انہیں بندۂ خدا اور رسول مانتا ہے، جبکہ بیشتر مسیحی مکاتب انہیں خدا کا بیٹا یا الوہی حیثیت رکھنے والا مانتے ہیں۔

اسی طرح اسلام حضرت عیسیٰؑ کی عظمت میں کوئی کمی نہیں کرتا، بلکہ الوہیت کے بجائے ان کی عبودیت کو ان کا سب سے بڑا اشرف قرار دیتا ہے۔

حضرت مریم سلام اللہ علیہا

یہ وہ مقام ہے جہاں اسلام اور مسیحیت میں غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے۔

دونوں حضرت مریمؑ کی پاکیزگی، عفت، تقویٰ اور عظمت کو تسلیم کرتے ہیں۔

بلکہ قرآن میں حضرت مریمؑ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کے نام سے مستقل ایک سورت موجود ہے، اور اہل بیتؑ کی روایات میں بھی ان کی عظمت کو بارہا بیان کیا گیا ہے۔

یہ کامل مشابہت ہے۔

محبت کا تصور

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں محبت، رحم، ہمدردی، عاجزی اور معافی کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔

اسلام بھی ان تمام صفات کو ایمان کا حصہ قرار دیتا ہے۔

رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ کی سیرت میں دشمنوں تک کے ساتھ حسنِ سلوک، یتیموں سے محبت، غریبوں کی مدد، غلاموں کے ساتھ مساوات اور انسان دوستی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

لہٰذا محبت کا اصل اصول کامل مشابہت رکھتا ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ اسلام محبت کو عدل سے جدا نہیں کرتا۔

معافی

مسیحیت کی سب سے نمایاں تعلیمات میں معاف کرنا شامل ہے۔

اسلام بھی معاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن بارہا فرماتا ہے کہ معاف کرنا تقویٰ کے قریب ہے۔

امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ اور دیگر اہل بیتؑ کی زندگی معافی کی روشن مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

البتہ اسلام ظلم کو برداشت کرنے کو ہر حال میں فضیلت قرار نہیں دیتا۔

جہاں معاشرے کے حقوق یا دین کا تحفظ مطلوب ہو وہاں عدل اور حق کا قیام مقدم ہوتا ہے۔

یہ جزوی فرق ہے، اصل تعلیم مشترک ہے۔

عبادت

مسیحی عبادات میں دعا، اجتماعی عبادت، حمد، خدا کی تسبیح، روزانہ عبادت، مقدس مقامات میں اجتماع اور روحانی مناجات شامل ہیں۔

یہ اسلام سے جزوی مشابہت رکھتی ہیں۔

فرق یہ ہے کہ اسلام میں نماز وحی کے مطابق مقررہ اوقات، مخصوص افعال اور قرآنی اذکار کے ساتھ ایک منظم عبادت ہے۔

روزہ

قدیم مسیحیت میں روزہ ایک مضبوط مذہبی روایت تھی۔

آج بھی مختلف کلیساؤں میں لینٹ (Lent) اور دیگر ایام میں روزے رکھے جاتے ہیں۔

یہ اسلام سے جزوی مشابہت رکھتا ہے۔

فرق یہ ہے کہ اسلامی روزہ پورے معاشرے، امت، قانون اور عبادت کے ایک مکمل نظام کا حصہ ہے۔

صدقہ اور خدمتِ خلق

یہ مسیحیت کی سب سے مضبوط خصوصیات میں سے ایک ہے۔

یتیموں، بیماروں، مسکینوں، بے گھروں اور ضرورت مندوں کی خدمت مسیحی روایت میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

اسلام بھی خدمتِ خلق کو عبادت قرار دیتا ہے۔

اہل بیتؑ خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام زین العابدینؑ کی زندگیاں خدمتِ خلق سے بھرپور ہیں۔
یہ تقریباً کامل مشابہت ہے۔

راہبانیت

یہ وہ مقام ہے جہاں اسلام اور موجودہ مسیحیت میں بنیادی فرق نمایاں ہوتا ہے۔
مسیحی تاریخ میں خانقاہی زندگی، دنیا سے کنارہ کشی، شادی ترک کرنا اور مستقل گوشہ نشینی کو روحانی کمال سمجھا گیا۔
قرآن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ راہبانیت بعد کے لوگوں نے خود ایجاد کی، اگرچہ اس کے بعض پیروکار اخلاص کے ساتھ اسے اختیار کرتے تھے۔
اسلام میں اعتکاف، عبادت، خلوت اور تزکیۂ نفس موجود ہے، لیکن مستقل راہبانیت نہیں۔
اہل بیتؑ کی تعلیمات کے مطابق بہترین انسان وہ ہے جو عبادت بھی کرے، خاندان بھی بسائے، تجارت بھی کرے، علم بھی حاصل کرے اور معاشرے کی خدمت بھی کرے۔
یہاں صرف جزوی مشابہت ہے۔

بپتسمہ (Baptism)

مسیحیت میں بپتسمہ مذہبی زندگی میں داخل ہونے کی علامت ہے۔
اسلام میں اس کی کوئی بعینہٖ رسم موجود نہیں۔
اگرچہ غسل، طہارت اور ایمان میں داخل ہونے کے بعض مفاہیم سے دور کی مماثلت نکالی جاسکتی ہے، لیکن حقیقت میں دونوں کے فلسفے اور شرعی حیثیت مختلف ہیں۔
یہ صرف ظاہری مشابہت ہے۔

عشائے ربانی (Holy Communion)

مسیحیت میں عشائے ربانی حضرت عیسیٰؑ کی یادگار اور روحانی شرکت کی علامت ہے۔
اسلام میں اس جیسی کوئی عبادت موجود نہیں۔
اگرچہ بعض لوگ اسے اسلامی تبرک یا نذر سے تشبیہ دیتے ہیں، لیکن دونوں کے اعتقادی مفہوم مختلف ہیں۔
یہ ظاہری مشابہت سے زیادہ نہیں۔

صلیب

صلیب مسیحیت کی مرکزی مذہبی علامت ہے۔

اسلام حضرت عیسیٰؑ کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے، لیکن صلیب کو نجات کا ذریعہ یا عبادتی علامت نہیں مانتا۔
لہٰذا یہاں کوئی حقیقی مشابہت موجود نہیں۔

آخرت

قیامت، جنت، جہنم، حساب اور ابدی زندگی پر ایمان مسیحیت اور اسلام میں مشترک ہے۔
یہ بہت بڑی مشترک بنیاد ہے۔
البتہ نجات، کفارہ، اصل گناہ (Original Sin) اور حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کے ذریعے گناہوں کی معافی جیسے عقائد اسلامی تعلیمات سے مختلف ہیں۔
اسلام کے مطابق ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور توبہ براہِ راست اللہ سے کی جاتی ہے۔

اخلاق

دیانت داری، رحم، سخاوت، عاجزی، ایثار، مہمان نوازی، غریبوں کی مدد، بیماروں کی عیادت، والدین کا احترام اور جھوٹ سے اجتناب جیسے اخلاقی اصول اسلام سے تقریباً مکمل مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات اور اسلام کا اخلاقی سرچشمہ ایک ہی الٰہی حقیقت سے وابستہ ہے۔

مجموعی تجزیہ

اگر حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات کو دیکھا جائے تو وہ قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے بہت زیادہ قریب نظر آتی ہیں۔ موجودہ مسیحیت میں بھی محبت، رحم، خدمتِ خلق، دعا، اخلاق، حضرت مریمؑ کا احترام، حضرت عیسیٰؑ کی عظمت، آخرت پر ایمان اور خدا کی عبادت جیسے بہت سے عناصر ایسے ہیں جو اصل وحی کی باقی ماندہ جھلک معلوم ہوتے ہیں۔
تاہم تثلیث، الوہیتِ مسیح، کفارہ، اصل گناہ، راہبانیت کی مستقل شکل، اور بعض کلیسائی عقائد ایسے مقامات ہیں جہاں موجودہ مسیحی الٰہیات قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے بنیادی طور پر مختلف ہو جاتی ہے۔
اس لیے تقابلی مطالعے میں یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ اسلام حضرت عیسیٰؑ کی اصل دعوت کی تکمیل اور تصحیح کا دعویٰ کرتا ہے، نہ کہ اس کی نفی کا۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ سوم: زرتشتیت (Zoroastrianism)

زرتشتیت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں شمار ہوتی ہے اور خصوصاً ایران اور وسطی ایشیا کی تہذیب پر اس کے گہرے اثرات رہے ہیں۔ اسلامی مصادر میں اس مذہب کے بارے میں ایک منفرد صورتِ حال پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں مجوس کا الگ ذکر موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشرکین سے الگ ایک مذہبی گروہ تھے۔ فقہی روایات میں بھی اہل بیت علیہم السلام سے ایسی روایات منقول ہیں جن میں مجوس کے بارے میں یہ احتمال بیان ہوا ہے کہ ان کے پاس کبھی آسمانی کتاب اور نبی موجود تھے، اگرچہ بعد میں ان کی تعلیمات میں تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی بنا پر فقہ اسلامی میں مجوس کے بعض احکام اہلِ کتاب سے مشابہ قرار دیے گئے ہیں، اگرچہ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان تفصیلی مباحث بھی موجود ہیں۔

اس پس منظر کی وجہ سے زرتشتیت میں بعض ایسے عقائد اور اعمال ملتے ہیں جو بظاہر اسلام سے حیرت انگیز مشابہت رکھتے ہیں، لیکن ان میں سے ہر مشابہت کی نوعیت ایک جیسی نہیں۔ کہیں اصل مشترک الٰہی تعلیمات کی جھلک ملتی ہے، کہیں بعد کی فلسفیانہ تعبیرات نے اصل تصور کو بدل دیا، اور کہیں صرف ظاہری مماثلت باقی رہ گئی۔

ایک برتر خدا کا تصور

زرتشتیت میں اَہورامزدا (Ahura Mazda) کو حکمت، نور، خیر اور کائنات کی اعلیٰ ہستی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ تصور اسلام کے اس عقیدے سے جزوی طور پر مشابہ ہے کہ کائنات کا ایک خالق اور رب ہے۔

لیکن کلاسیکی زرتشتی روایت میں خیر اور شر کی قوتوں کے درمیان ایک مستقل کشمکش کا نظریہ بھی پایا جاتا ہے، جہاں اَنگرہ مَینیو (اہریمن) کو شر کی طاقت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اگر اس تصور کو دو مستقل ازلی قوتوں کی صورت میں لیا جائے تو یہ اسلامی توحید سے مختلف ہو جاتا ہے، کیونکہ قرآن کے مطابق شر بھی اللہ کی مخلوق کے دائرے میں ہے، کوئی مستقل خدائی طاقت نہیں۔

البتہ بعض جدید زرتشتی علماء اس کشمکش کو اخلاقی اور علامتی انداز میں بیان کرتے ہیں، نہ کہ دو مستقل خداؤں کے عقیدے کے طور پر۔ اس لیے اس مسئلے میں زرتشتی تعبیرات یکساں نہیں ہیں۔

خیر اور شر کی جدوجہد

زرتشتیت کی پوری اخلاقیات خیر اور شر کے درمیان انسان کے انتخاب پر قائم ہے۔
انسان کو سچائی، نیکی اور پاکیزگی کا ساتھ دینے کی دعوت دی جاتی ہے۔

اسلام بھی انسان کو حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور تقویٰ و فجور کے درمیان انتخاب کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

یہاں بنیادی اخلاقی تصور میں قابلِ ذکر مشابہت موجود ہے۔

لیکن اسلام میں خیر و شر دو مستقل الوہی طاقتیں نہیں بلکہ اللہ کی تخلیق کے اندر امتحان کا حصہ ہیں۔

فرشتوں کا تصور

زرتشتی مذہبی متون میں اَمشاسپند (Amesha Spentas) اور دیگر نورانی ہستیوں کا ذکر آتا ہے جو خیر کے نظام سے وابستہ ہیں۔

اسلام میں ملائکہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں جو کائنات کے مختلف امور انجام دیتے ہیں۔

اگرچہ دونوں مذاہب میں نورانی مخلوقات کا تصور موجود ہے، لیکن ان کی حیثیت، تعداد، صفات اور الٰہی نظام میں مقام مختلف ہے۔

اس لیے یہاں جزوی مشابہت پائی جاتی ہے۔

شیطان یا شر کی قوت

اسلام میں شیطان اللہ کا مخالف خدا نہیں بلکہ ایک مخلوق ہے جسے اختیار ملا اور اس نے سرکشی اختیار کی۔

زرتشتیت میں شر کی قوت کا تصور بعض مکاتب میں زیادہ خودمختار صورت اختیار کر لیتا ہے۔

یہ فرق اسلامی توحید کی بنیاد سے متعلق ہے، اس لیے یہاں مشابہت محدود ہو جاتی ہے۔

آخرت، حساب اور جزا و سزا

یہ زرتشتیت اور اسلام کے درمیان سب سے اہم مشترک میدانوں میں سے ایک ہے۔

زرتشتی روایات میں مرنے کے بعد حساب، نیک و بد اعمال کا وزن، جنت، جہنم اور آخری انجام کا تصور موجود ہے۔

یہ اسلام سے نمایاں جزوی مشابہت رکھتا ہے۔

اگرچہ جزئیات، فلسفہ اور اخروی مراحل میں دونوں کے درمیان متعدد اختلافات بھی موجود ہیں۔

پلِ صراط

زرتشتی روایت میں "چِنوَت پل (Chinvat Bridge) "کا تصور ملتا ہے، جس سے ہر انسان کو اپنے اعمال کے مطابق گزرنا ہوتا ہے۔

اسلام میں بھی پلِ صراط کا تصور روایات میں موجود ہے۔
یہ دونوں تصورات بظاہر بہت مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔
البتہ اسلامی روایات میں پلِ صراط صرف ایک جسمانی گزر گاہ نہیں بلکہ ایمان، عمل، ولایت اور عدلِ الٰہی کے گہرے مفاہیم سے وابستہ ہے۔
لہٰذا یہاں جزوی مشابہت کہنا زیادہ محتاط تعبیر ہے۔

منجی کا تصور

زرتشتی مذہب میں سوشیانت (Saoshyant) کے نام سے ایک آخری نجات دہندہ کے آنے کا تصور پایا جاتا ہے جو دنیا میں خیر کو غالب کرے گا۔
اسلام میں امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ موجود ہے۔
دونوں میں آخری دور کی اصلاح، عدل کے قیام اور باطل کے خاتمے کا تصور مشترک ہے۔
لیکن شخصیت، نسب، امامت، وحی، ولایت اور عالمی حکومت کی تفصیلات مختلف ہیں۔
اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

پاکیزگی اور طہارت

زرتشتیت میں جسم، لباس، پانی، زمین اور آگ کی پاکیزگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اسلام بھی طہارت کو عبادت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔
وضو، غسل، نجاست سے اجتناب اور صفائی اسلامی شریعت کے بنیادی اجزاء ہیں۔
یہاں نمایاں مشابہت پائی جاتی ہے۔
لیکن بعض زرتشتی رسوم، مثلاً مردوں کی تدفین کے مخصوص طریقے (Tower of Silence)، اسلامی تصورِ تدفین سے مختلف ہیں۔

آگ کا مقام

یہ وہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں عام طور پر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔
زرتشتی روایت میں آگ کو نور، پاکیزگی اور سچائی کی علامت سمجھا جاتا ہے، اسی لیے آتش کدوں میں مقدس آگ کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔
اسلام میں آگ عبادت کا مرکز نہیں بلکہ اللہ کی ایک مخلوق ہے۔
اگر بعض زرتشتی آگ کو صرف علامت سمجھتے ہیں تو یہاں بحث کی نوعیت مختلف ہے، لیکن اگر آگ کو مذہبی تقدیس کا مستقل مرکز بنایا جائے تو یہ اسلامی عبادت کے تصور سے مختلف ہو جاتا ہے۔
اس لیے یہ صرف ظاہری مشابہت یا بعض تعبیرات میں بنیادی اختلاف کا مقام ہے۔

عبادت

زرتشتی مذہب میں دعائیں، مقدس کلمات کی تلاوت، مخصوص اوقات میں عبادت اور مذہبی اجتماعات موجود ہیں۔

یہ اسلام سے جزوی مشابہت رکھتے ہیں۔

لیکن اسلامی نماز جیسا وحی پر مبنی منظم عبادتی نظام موجود نہیں۔

اخلاق

زرتشتیت کا مشہور اصول "نیک خیال، نیک گفتار، نیک کردار (Good Thoughts, Good Words, Good Deeds) " ہے۔

یہ اصول اسلام کے ایمان، قولِ سدید اور عملِ صالح کے تصور سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔

البتہ اسلام اس اخلاقی نظام کو توحید، نبوت، ولایت، آخرت اور شریعت کے جامع فریم ورک میں رکھتا ہے۔

محنت اور کسبِ حلال

زرتشتی روایت میں زراعت، محنت، آبادکاری اور معاشرے کی تعمیر کو نیکی سمجھا جاتا ہے۔
اسلام بھی محنت، تجارت، کاشت کاری اور حلال روزی کو عبادت قرار دیتا ہے۔
یہ نمایاں مشابہت ہے۔

خاندانی نظام

زرتشتیت میں شادی، خاندان اور نسل کے تسلسل کو اہمیت حاصل ہے۔
اسلام بھی خاندان کو تمدن کی بنیادی اکائی قرار دیتا ہے۔
یہاں بھی کافی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے، اگرچہ بعض تاریخی ادوار میں زرتشتی معاشروں سے منسوب بعض ازدواجی روایات (جن پر مؤرخین میں اختلاف بھی ہے) اسلامی خاندانی نظام سے ہم آہنگ نہیں۔

مجموعی تجزیہ

زرتشتیت کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس مذہب میں ایسے متعدد تصورات موجود ہیں جو ایک الٰہی مذہبی ورثے کی باقی ماندہ جھلک معلوم ہوتے ہیں، جیسے ایک اعلیٰ خدا پر ایمان،

خیر و شر کی اخلاقی کشمکش، آخرت، حساب، منجی، پاکیزگی، دعا، محنت، اخلاق اور خاندان کی اہمیت۔ تاہم اس کے ساتھ بعض فلسفیانہ اور مذہبی تعبیرات، خصوصاً خیر و شر کی نوعیت، آگ کی مذہبی حیثیت اور بعض اعتقادی تفصیلات، اسلامی توحید اور اہل بیتؑ کی تعلیمات سے مختلف ہو جاتی ہیں۔

اسی لیے قرآن و معصومینؑ کی روشنی میں زرتشتیت کو نہ مکمل طور پر اسلام کے موافق کہا جا سکتا ہے اور نہ مکمل طور پر اس سے منقطع؛ بلکہ اس میں ایسے متعدد عناصر موجود ہیں جو یا تو اصل وحی کی باقی ماندہ علامات ہیں یا بعد کے ادوار میں مختلف تعبیرات سے تبدیل ہو چکے ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ چہارم: ہندو مت (Hinduism)

ہندو مت دنیا کے قدیم ترین اور سب سے زیادہ متنوع مذہبی و فلسفیانہ نظاموں میں سے ایک ہے۔ درحقیقت "ہندو مت" ایک واحد، منظم عقائدی نظام نہیں بلکہ مختلف فلسفوں، عبادتی روایات، مقامی رسوم اور روحانی مکاتب کا ایک وسیع مجموعہ ہے۔ اس میں ویدی مذہب، اپنشدی فلسفہ، یوگ، سانکھیا، ویدانت، بھکتی تحریکیں، شیو مت، وشنو مت، شکتی مت اور دیگر بے شمار دھارے شامل ہیں۔ اسی لیے اس کے بارے میں کوئی ایک حکم تمام مکاتب پر یکساں لاگو نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کریم نے ہندومت کا نام لے کر ذکر نہیں کیا، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا تجزیہ اس کے موجودہ عقائد اور اعمال کی روشنی میں کیا جاتا ہے، نہ کہ کسی صریح قرآنی تعیین کی بنیاد پر۔ نیز بعض مسلم علماء نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ برصغیر میں بھی کسی زمانے میں انبیاء مبعوث ہوئے ہوں گے، کیونکہ قرآن کے مطابق ہر قوم کی طرف ہادی بھیجے گئے؛ لیکن ہندومت کی موجودہ صورت کو براہِ راست کسی خاص نبی کی شریعت قرار دینے پر قطعی دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا جہاں کسی تصور میں مشابہت نظر آتی ہے، وہاں اسے لازماً وحیِ الٰہی کا باقی ماندہ اثر قرار دینا ضروری نہیں؛ بعض اوقات وہ انسانی فطرت، فلسفیانہ غور و فکر یا مختلف تاریخی عوامل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس پس منظر کے ساتھ اب مختلف تصورات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایک اعلیٰ حقیقت (برہمن) کا تصور

ہندو فلسفے خصوصاً اپنشد اور ویدانت میں برہمن (Brahman) کو کائنات کی اعلیٰ ترین حقیقت، ازلی و ابدی وجود اور ہر چیز کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔

یہ تصور بظاہر اسلام کے اللہ تعالیٰ کے تصور سے مشابہ معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان اہم فرق موجود ہیں۔

اسلام میں اللہ ایک ذاتی، صاحبِ ارادہ، خالق، رب، سمیع، بصیر، متکلم اور بندوں سے تعلق رکھنے والی ہستی ہے۔

جبکہ بہت سے ویدانتی مکاتب میں برہمن کو ایک غیر شخصی(Impersonal) ، مطلق حقیقت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔
لہٰذا یہاں جزوی مشابہت موجود ہے، مگر دونوں کا الٰہیاتی ڈھانچہ مختلف ہے۔

ایک خدا یا متعدد دیوتا؟

یہ وہ مقام ہے جہاں ہندو مت کو ایک ہی زاویے سے دیکھنا غلط ہو گا۔
ویدوں اور بعض فلسفیانہ مکاتب میں ایک اعلیٰ حقیقت پر زور ملتا ہے۔
لیکن عوامی مذہبی زندگی میں متعدد دیوی دیوتاؤں کی عبادت، ان کی مورتیوں کے سامنے پوجا اور مختلف خدائی صفات کی تقسیم عام ہے۔
اسلام میں عبادت، دعا، نذر، استعانتِ استقلالی اور بندگی صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔
اس لیے اگر ہندو مت کے کسی مکتب میں ایک اعلیٰ حقیقت کا تصور ہو تو وہاں جزوی مشابہت ہے، لیکن جہاں متعدد معبودوں یا ان کی عبادت کا تصور ہے وہاں بنیادی اختلاف ہے۔

آتما (روح)

ہندو مت میں آتما (Ātman) کو انسان کی اصل حقیقت سمجھا جاتا ہے، جو جسم سے جدا ہے۔

اسلام بھی انسان کو صرف جسم نہیں بلکہ روح کا حامل قرار دیتا ہے۔

یہاں نمایاں مشابہت پائی جاتی ہے۔

لیکن اسلام میں روح اللہ کی مخلوق ہے، جبکہ بعض ہندو فلسفوں میں آتما اور برہمن کے اتحاد یا وحدت کی تعبیر پیش کی جاتی ہے، جو اسلامی تصورِ خالق و مخلوق سے مختلف ہے۔

تناسخ (Reincarnation)

یہ ہندو مت کا بنیادی عقیدہ ہے۔

اس کے مطابق انسان مرنے کے بعد اپنے اعمال کے مطابق دوبارہ مختلف جسموں میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اسلام اس نظریے کو قبول نہیں کرتا۔

قرآن کے مطابق انسان ایک ہی دنیاوی زندگی گزارتا ہے، پھر برزخ، قیامت اور ابدی انجام کا مرحلہ آتا ہے۔

لہٰذا یہاں کوئی حقیقی مشابہت موجود نہیں۔

کرم (Karma)

ہندو مت میں کرم کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل کا لازمی نتیجہ انسان کو ملتا ہے۔
اسلام بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر عمل کا اثر اور ہر انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔
یہاں ایک اہم جزوی مشابہت موجود ہے۔
لیکن فرق یہ ہے کہ اسلام میں اعمال کے نتائج صرف ایک خودکار کائناتی قانون کے تابع نہیں بلکہ اللہ کے عدل، رحمت، توبہ، دعا، شفاعت (الٰہی اذن کے ساتھ) اور فضل بھی اس نظام کا حصہ ہیں۔

موکش (Moksha)

ہندو فلسفے میں موکش کا مطلب پیدائش اور موت کے چکر سے آزادی ہے۔
اسلام میں نجات کا مطلب اللہ کی رضا، جنت، قربِ الٰہی اور ابدی سعادت ہے۔
دونوں میں "نجات" کا تصور موجود ہے، لیکن نجات کی تعریف، اس کا راستہ اور آخری منزل مختلف ہے۔
اس لیے یہاں صرف جزوی مشابہت ہے۔

یوگ (Yoga)

یہ وہ موضوع ہے جس میں باریک تفریق ضروری ہے۔

اگر یوگ سے مراد جسمانی ورزش، سانس کی مشق، جسمانی توازن اور ذہنی ارتکاز ہے تو یہ اسلام سے متصادم نہیں۔

اگر یوگ سے مراد مراقبہ، سکونِ قلب اور نفس کی تربیت کے غیر مذہبی طریقے ہیں تو ان میں بعض پہلو اسلامی تزکیۂ نفس سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔

لیکن اگر یوگ کو کسی خاص مذہبی عقیدے، برہمن سے اتحاد، مخصوص دیوتاؤں کی عبادت یا عقیدۂ تناسخ کے ساتھ وابستہ کیا جائے تو پھر وہ اسلامی عقیدے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

لہٰذا یوگ کے بارے میں ایک ہی حکم دینا درست نہیں؛ اس کی نوعیت کے مطابق حکم بدلتا ہے۔

دھیان (Meditation)

ہندو مت میں دھیان (Meditation) روحانی ترقی کا اہم ذریعہ ہے۔

اسلام میں بھی تفکر، تدبر، محاسبۂ نفس، ذکر، خشوع اور قلبی توجہ کی بہت اہمیت ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی دعاؤں اور مناجات میں گہری قلبی یکسوئی اور معرفتِ الٰہی کا عنصر نمایاں ہے۔

یہاں جزوی مشابہت موجود ہے۔

لیکن اسلام میں مراقبے کا مرکز ہمیشہ اللہ کی معرفت اور بندگی ہے، نہ کہ نفس کا مطلق انحلال یا کسی غیر اسلامی مابعد الطبیعیاتی تصور کا حصول۔

گرو کا تصور

ہندو مت میں گرو روحانی استاد ہوتا ہے۔
اسلام میں بھی استاد، عالم، مربی اور مرشد کی اہمیت مسلم ہے۔
لیکن اہل بیتؑ کی تعلیمات میں روحانی رہنمائی وحی، نبوت اور امامت کے نظام سے مربوط ہے۔
اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

اوتار (Avatar)

ہندو مت کے بعض مکاتب میں وشنو کے مختلف اوتاروں کا عقیدہ پایا جاتا ہے، یعنی خدا مختلف ادوار میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔
اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا۔
اللہ تعالیٰ نہ جسم اختیار کرتا ہے، نہ کسی انسان میں حلول کرتا ہے، نہ کسی مخلوق کی صورت اختیار کرتا ہے۔
یہاں بنیادی اختلاف ہے۔

مورتی پوجا

ہندومت کی عوامی روایت میں مورتیوں کے سامنے پوجا، نذر، آرتی اور عبادت عام ہے۔
اسلام میں عبادت صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے۔
اسلامی نقطۂ نظر سے اگر کسی شے کو عبادت کا مستقل مرکز بنایا جائے تو یہ توحید سے متعارض ہے۔
لہٰذا یہاں کوئی حقیقی مشابہت موجود نہیں۔

اہنسا(Ahimsa)

ہندومت، خصوصاً بعض مکاتب، عدمِ تشدد پر زور دیتے ہیں۔
اسلام بھی ظلم، زیادتی، بے گناہ کے قتل اور جارحیت کو سختی سے منع کرتا ہے۔
یہاں نمایاں اخلاقی مشابہت موجود ہے۔
لیکن اسلام مطلق عدمِ تشدد کا قائل نہیں؛ مظلوم کے دفاع، عدل کے قیام اور مشروع دفاع کو ضروری سمجھتا ہے۔

ریاضت

ہندو مت میں سخت ریاضتیں، روزے، ضبطِ نفس اور خواہشات پر قابو پانے کی مشقیں موجود ہیں۔
اسلام بھی نفس کے تزکیے، روزے، عبادت، صبر اور مجاہدۂ نفس کی تعلیم دیتا ہے۔
یہاں جزوی مشابہت موجود ہے۔
فرق یہ ہے کہ اسلام افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کو پسند کرتا ہے۔ اہل بیتؑ نے ایسی ریاضت کو ناپسند فرمایا جو جسم کو غیر ضروری نقصان پہنچائے یا معاشرتی ذمہ داریوں سے دور کر دے۔

ذات پات(Caste System)

ہندو معاشرے کی تاریخی ساخت میں ذات پات کا نظام نمایاں رہا ہے، اگرچہ جدید ہندو مفکرین اور قانونی نظام اس پر شدید تنقید کرتے ہیں۔
اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا۔
قرآن کے مطابق تمام انسان آدمؑ و حوا سے ہیں اور فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔
لہٰذا یہاں بنیادی اختلاف ہے۔

اخلاق

سچائی، امانت، والدین کا احترام، مہمان نوازی، ضبطِ نفس، خیر خواہی اور سخاوت جیسے بہت سے اخلاقی اصول ہندو مت میں بھی موجود ہیں۔
یہ اصول اسلام سے جزوی یا بعض صورتوں میں کافی حد تک مشابہ ہیں، کیونکہ یہ انسانی فطرت سے بھی ہم آہنگ ہیں۔

مجموعی تجزیہ

ہندو مت ایک ایسا مذہبی و فلسفیانہ مجموعہ ہے جس میں بعض تصورات اسلامی تعلیمات کے قریب محسوس ہوتے ہیں، جیسے روح کا وجود، اعمال کی ذمہ داری، اخلاق، تزکیۂ نفس، مراقبہ، ریاضت اور بعض فلسفیانہ مباحث۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تناسخ، اوتار، مورتی پوجا، ذات پات اور بعض الٰہیاتی تصورات ایسے ہیں جو قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔
اس لیے ہندو مت کے بارے میں کوئی ایک کلی حکم دینا علمی طور پر درست نہیں۔ اس کے ہر فلسفیانہ مکتب اور ہر مذہبی روایت کو الگ الگ دیکھنا ضروری ہے۔ بعض پہلو انسانی فطرت یا عمومی اخلاق کے اعتبار سے اسلام سے قریب ہیں، بعض میں ممکنہ طور پر قدیم توحیدی روایات کی دور کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے، جبکہ بعض عقائد اسلامی عقیدۂ توحید، نبوت اور آخرت سے صریح اختلاف رکھتے ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ پنجم: بدھ مت (Buddhism)

بدھ مت دنیا کے عظیم ترین فکری اور روحانی نظاموں میں شمار ہوتا ہے، لیکن اس کی نوعیت دیگر بڑے ادیان سے مختلف ہے۔ بیشتر محققین کے نزدیک بدھ مت کی ابتدا ایک ایسے اخلاقی و روحانی اصلاحی مکتب کے طور پر ہوئی جس کی بنیاد گوتم بدھ (Siddhartha Gautama) نے رکھی۔ اس کی اولین توجہ انسان کے دکھ، ذہنی اضطراب، خواہشات اور ان سے نجات کے راستے پر تھی، نہ کہ خدا، نبوت یا وحی کے تفصیلی الٰہیاتی مباحث پر۔ بعد میں مختلف ادوار میں اس سے متعدد مکاتب وجود میں آئے، جیسے تھیراواد، مہایان، وجریانا وغیرہ، جن کے عقائد میں بھی نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے بدھ مت کے بارے میں دو باتیں اہم ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن کریم میں بدھ مت یا گوتم بدھ کا نام صراحت کے ساتھ مذکور نہیں۔ دوسری یہ کہ قرآن یہ اصول بیان کرتا ہے کہ ہر قوم کی طرف ہادی بھیجے گئے، لیکن کسی خاص شخصیت کے نبی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں وہاں فیصلہ نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بدھ لازماً نبی تھے یا ہرگز نبی نہیں تھے، قطعی اسلامی نصوص سے ثابت نہیں۔ اس لیے تقابلی مطالعہ موجودہ بدھ مت کی تعلیمات کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے۔

بدھ مت میں متعدد ایسے اخلاقی اور نفسیاتی اصول موجود ہیں جو اسلام سے قابلِ ذکر مشابہت رکھتے ہیں، لیکن اس کی مابعد الطبیعیاتی بنیاد، خدا کا تصور، روح، آخرت اور نجات کے بعض تصورات اسلام سے مختلف ہیں۔

دکھ (Dukkha) کا تصور

بدھ مت کی ابتدا ہی اس سوال سے ہوتی ہے کہ انسان کیوں دکھ اٹھاتا ہے۔
بدھ مت کے مطابق دنیاوی زندگی میں دکھ ایک بنیادی حقیقت ہے اور انسان کی بے چینی، خواہشات اور وابستگی اس کی اہم وجوہات ہیں۔
اسلام بھی دنیا کو آزمائش، مشقت اور امتحان کی جگہ قرار دیتا ہے۔ قرآن میں انسان کی تخلیق کو "کبد" (مشقت) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اہل بیتؑ کی روایات میں دنیا کو دارالابتلاء کہا گیا ہے۔
یہاں نمایاں مشابہت موجود ہے۔
البتہ اسلام دکھ کو صرف خواہشات کا نتیجہ نہیں بلکہ امتحان، تربیت، کفارۂ گناہ، درجات کی بلندی اور الٰہی حکمت کا بھی حصہ قرار دیتا ہے۔

خواہشات (Desire)

بدھ مت کے مطابق بے لگام خواہشات انسان کے دکھ کی بنیادی وجہ ہیں۔

اسلام بھی نفسِ امّارہ، شہوات کی غلامی، دنیا پرستی اور حرص سے خبردار کرتا ہے۔
اہل بیت علیہم السلام نے خواہشات کے غلام بننے کو انسان کی سب سے بڑی قید قرار دیا ہے۔
یہاں بہت مضبوط جزوی مشابہت موجود ہے۔
فرق یہ ہے کہ اسلام تمام خواہشات کو ختم کرنے کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ ان کی اصلاح اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ جائز محبت، نکاح، رزق، اولاد، حسنِ معاشرت اور دنیاوی نعمتیں اسلام میں اپنی صحیح حدود کے اندر مطلوب ہیں۔

درمیانی راستہ (Middle Way)

بدھ مت افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راستہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔
اسلام بھی امتِ وسط، اعتدال، توازن اور میانہ روی پر زور دیتا ہے۔
اہل بیتؑ نے عبادت، معیشت، خوراک، تعلقات اور دنیا و آخرت کے ہر شعبے میں اعتدال کو پسند فرمایا۔
یہ تقریباً کامل اخلاقی مشابہت ہے۔

آٹھ گنا راستہ (Eightfold Path)

بدھ مت کا مشہور آٹھ گنا راستہ صحیح فکر، صحیح ارادہ، صحیح گفتار، صحیح عمل، صحیح معاش، صحیح کوشش، صحیح توجہ اور صحیح ارتکاز پر مشتمل ہے۔

اسلام میں بھی درست عقیدہ، نیک نیت، سچا قول، عملِ صالح، حلال معاش، مجاہدۂ نفس، ذکرِ الٰہی اور خشوع و حضورِ قلب کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہاں نمایاں جزوی مشابہت پائی جاتی ہے۔

لیکن اسلام میں یہ تمام امور اللہ، نبوت، وحی، آخرت اور شریعت کے وسیع نظام سے مربوط ہیں۔

اخلاق

بدھ مت میں رحم، شفقت، سچائی، عدمِ ظلم، امانت، ہمدردی، عاجزی اور ضبطِ نفس کو بنیادی اخلاقی اقدار مانا جاتا ہے۔

اسلام میں بھی یہی صفات بنیادی اسلامی اخلاق کا حصہ ہیں۔

اہل بیتؑ کی سیرت میں ان تمام اخلاقی اوصاف کی بلند ترین مثالیں ملتی ہیں۔

یہ تقریباً مکمل اخلاقی مشابہت ہے۔

کرونا(Compassion)

بدھ مت میں "کرونا" یعنی تمام جانداروں کے لیے رحمت اور ہمدردی کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہی "الرحمن" اور "الرحیم" ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "رحمۃً للعالمین" قرار دیا گیا۔

اہل بیتؑ کی زندگی بھی انسانوں اور جانوروں تک کے ساتھ رحمت سے بھرپور ہے۔

یہاں نمایاں مشابہت موجود ہے۔
فرق صرف یہ ہے کہ اسلام میں رحمت عدل، حق اور ذمہ داری کے ساتھ متوازن رہتی ہے۔

مراقبہ (Meditation)

بدھ مت میں مراقبہ بنیادی روحانی عمل ہے۔
اسلام میں اگرچہ بدھ مت جیسا رسمی مراقبہ نہیں، لیکن تفکر، تدبر، ذکر، خشوع، محاسبۂ نفس، دعا، تہجد اور مناجات انسان کی باطنی اصلاح کے ذرائع ہیں۔
اہل بیتؑ خصوصاً امام زین العابدینؑ کی دعاؤں میں قلبی یکسوئی کی بلند ترین مثالیں موجود ہیں۔
یہاں جزوی مشابہت ہے۔
لیکن اسلام میں روحانی توجہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، محض ذہنی سکون یا شعور کی کسی غیر شخصی کیفیت کی طرف نہیں۔

راہبانیت

بدھ مت میں خانقاہی زندگی اور دنیا سے کنارہ کشی کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔
اسلام میں اعتکاف، خلوت اور عبادت موجود ہیں، لیکن مستقل راہبانیت نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔
اہل بیتؑ نے عبادت، تجارت، خاندان، علم اور معاشرت کو ایک ساتھ جمع کیا۔
یہاں جزوی مشابہت ہے، مگر بنیادی عملی فرق بھی موجود ہے۔

خدا کا تصور

یہ بدھ مت اور اسلام کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔
بدھ مت کی ابتدائی تعلیمات میں خدا کا تصور مرکزی موضوع نہیں۔
بعض بدھ مکاتب اس پر خاموش ہیں، بعض اسے غیر متعلق سمجھتے ہیں، جبکہ بعض بعد کی روایات میں مختلف آسمانی ہستیوں کا ذکر آتا ہے۔
اسلام کی پوری بنیاد اللہ تعالیٰ کی معرفت، عبادت اور توحید پر قائم ہے۔
لہٰذا یہاں بنیادی اختلاف ہے۔

روح(Self)

بدھ مت کے مشہور نظریۂ "اَناتّا (Anatta) "کے مطابق مستقل، غیر متغیر نفس یا خودی کا تصور قبول نہیں کیا جاتا۔
اسلام روح کو اللہ کی مخلوق اور انسان کی حقیقی باطنی حقیقت قرار دیتا ہے۔
یہ دونوں تصورات بنیادی طور پر مختلف ہیں۔

اگرچہ بدھ مت کے مختلف مکاتب میں اس نظریے کی تشریحات مختلف ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہاں اہم اختلاف موجود ہے۔

تناسخ

بدھ مت بھی مختلف صورتوں میں دوبارہ پیدائش (Rebirth) کا نظریہ پیش کرتا ہے۔
اسلام ایک ہی دنیاوی زندگی، پھر برزخ، قیامت اور آخرت کا قائل ہے۔
لہٰذا یہاں کوئی حقیقی مشابہت نہیں۔

نروان(Nirvana)

بدھ مت میں نروان کو دکھ اور وابستگی سے مکمل آزادی کی حالت سمجھا جاتا ہے۔
اسلام میں آخری کامیابی اللہ کی رضا، قربِ الٰہی اور جنت ہے۔
اگرچہ دونوں میں "نجات" کا تصور موجود ہے، لیکن اس کی حقیقت، منزل اور فلسفہ مختلف ہیں۔
یہاں صرف جزوی مشابہت پائی جاتی ہے۔

عدمِ تشدد

بدھ مت عدمِ تشدد پر بہت زور دیتا ہے۔
اسلام بھی ظلم، جارحیت اور بے گناہ کے قتل کی شدید مذمت کرتا ہے۔

لیکن اسلام دفاع، مظلوم کی مدد اور عدل کے قیام کے لیے مشروع قتال کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔
اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

مجموعی تجزیہ

اگر صرف اخلاقیات، نفس کی تربیت، خواہشات پر قابو، رحم، شفقت، اعتدال، مراقبہ، باطنی اصلاح اور ذہنی نظم کے پہلو دیکھے جائیں تو بدھ مت اور اسلامی تعلیمات کے درمیان کئی نمایاں مشترکات موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے اصول انسانی فطرت سے بھی ہم آہنگ ہیں اور اسلامی اخلاق سے قریب محسوس ہوتے ہیں۔
لیکن جب الٰہیات، توحید، نبوت، روح، آخرت، تناسخ، نجات اور عبادت کے بنیادی عقائد کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو دونوں کے درمیان گہرے اختلافات سامنے آتے ہیں۔
اسلام انسان کی روحانی اصلاح کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، وحی، شریعت، نبوت، امامت (شیعہ مکتب کے مطابق)، اور آخرت کے جامع نظام سے مربوط کرتا ہے، جبکہ بدھ مت کا اصل زور نفسیاتی اور وجودی مسئلے کے حل پر ہے۔
اسی وجہ سے بدھ مت کو اسلامی اخلاقیات کے بعض پہلوؤں کے قریب، لیکن اسلامی عقائد کے بنیادی ڈھانچے سے نمایاں طور پر مختلف مذہبی و فلسفیانہ نظام قرار دینا زیادہ درست ہو گا۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ ششم: جین مت (Jainism)

جین مت برصغیر کے قدیم ترین مذہبی و فلسفیانہ نظاموں میں شمار ہوتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کی موجودہ شکل حضرت مہاویر (Mahavira) سے منسوب ہے، اگرچہ جینی روایت کے مطابق ان سے پہلے بھی متعدد تیر تھنکر (Tirthankaras) گزرے ہیں جو انسانوں کو نجات کا راستہ دکھانے والے روحانی رہنما تھے۔ جین مت کی بنیاد خدا کی عبادت پر نہیں بلکہ روح کی تطہیر، نفس پر مکمل قابو، عدمِ تشدد، سچائی، زہد اور کرم (Karma) سے نجات پر رکھی گئی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے جین مت کا قرآن میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ملتا، اور نہ ہی کسی تیر تھنکر کے نبی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں قطعی اسلامی نص موجود ہے۔ اس لیے اس کا تجزیہ موجودہ جینی تعلیمات اور قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کے تقابلی مطالعے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

جین مت میں کئی ایسے اخلاقی اصول موجود ہیں جو اسلام سے قریب محسوس ہوتے ہیں، لیکن اس کی الٰہیات، نجات اور کائنات کے بارے میں بنیادی تصورات اسلامی عقائد سے مختلف ہیں۔

خدا کا تصور

یہ جین مت اور اسلام کے درمیان سب سے بنیادی فرق ہے۔
جین مت میں کائنات کو کسی خالق خدا کی مخلوق نہیں سمجھا جاتا۔ جینی فلسفے کے مطابق کائنات ازلی ہے اور کسی خالق کے وجود کی ضرورت نہیں۔ عبادت کا مرکز خدا نہیں بلکہ وہ کامل انسان (تیرتھنکر) ہیں جنہوں نے روحانی کمال حاصل کیا۔
اسلام کی پوری بنیاد اللہ تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت، الوہیت اور عبادت پر قائم ہے۔
لہٰذا یہاں بنیادی اختلاف موجود ہے۔

روح(Jiva)

جین مت میں ہر جاندار میں ایک روح (Jiva) موجود ہے۔
اسلام بھی انسان اور بعض دیگر مخلوقات کے بارے میں روح کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔
یہاں جزوی مشابہت موجود ہے۔
لیکن جین مت میں روح کی ازلیت، اس کے ارتقا اور کرم کے ساتھ تعلق کی تعبیر اسلام سے مختلف ہے۔
اسلام میں روح اللہ کی مخلوق ہے، ازلی نہیں۔

کرم(Karma)

جین مت میں کرم صرف اخلاقی قانون نہیں بلکہ ایک حقیقی مادی عنصر سمجھا جاتا ہے جو روح کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور اسے دوبارہ جنم لینے پر مجبور کرتا ہے۔

اسلام بھی اعمال کے نتائج اور جزاو سزا کا قائل ہے۔

یہاں اعمال کی ذمہ داری کے تصور میں مشابہت ہے۔

لیکن اسلام میں کرم کوئی خودکار مادّی قوت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عدل، علم، رحمت اور فیصلے کے تحت اعمال کا حساب ہوتا ہے۔

اس لیے یہ جزوی مشابہت ہے۔

تناسخ

جین مت میں روح بار بار مختلف جسموں میں جنم لیتی ہے۔

یہ اس مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے۔

اسلام اس عقیدے کو قبول نہیں کرتا۔

قرآن کے مطابق دنیاوی زندگی صرف ایک مرتبہ ملتی ہے، اس کے بعد برزخ، قیامت اور آخرت ہے۔

لہٰذا یہاں کوئی حقیقی مشابہت موجود نہیں۔

نجات(Moksha)

جین مت میں نجات کا مطلب کرم کے تمام اثرات سے آزاد ہو کر دوبارہ پیدائش کے چکر سے نکل جانا ہے۔

اسلام میں نجات کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رضا، قربِ الٰہی اور جنت میں ابدی سعادت ہے۔

دونوں میں نجات کا تصور موجود ہے، لیکن اس کا مقصد، راستہ اور آخری منزل مختلف ہیں۔

لہٰذا یہاں جزوی مشابہت ہے۔

عدمِ تشدد (Ahimsa)

یہ جین مت کی سب سے نمایاں تعلیم ہے۔

جینی روایت میں عدمِ تشدد کو اس حد تک اہمیت دی جاتی ہے کہ بعض راہب چلتے وقت زمین صاف کرتے ہیں تاکہ کسی چھوٹے کیڑے کو بھی نقصان نہ پہنچے، اور بعض منہ پر کپڑا باندھتے ہیں تاکہ کسی ننھے جاندار کی ہلاکت نہ ہو۔

اسلام بھی ظلم، بے گناہ کے قتل، جانوروں پر ظلم اور فساد فی الارض کی سخت مذمت کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ نے جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بارہا تعلیم دی ہے۔

لیکن اسلام مطلق عدمِ تشدد کا قائل نہیں۔ ظلم کے مقابلے میں دفاع، مظلوم کی مدد، حدود و قصاص اور عادلانہ دفاعی قتال کو مشروع قرار دیتا ہے۔

لہٰذا یہاں جزوی مشابہت ہے، لیکن عملی فلسفہ مختلف ہے۔

سچائی(Satya)

جین مت میں جھوٹ بولنا سنگین اخلاقی برائی سمجھا جاتا ہے۔
اسلام میں بھی صدق ایمان کی بنیاد ہے۔
قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات میں سچائی کو تمام نیکیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔
یہ تقریباً مکمل اخلاقی مشابہت ہے۔

امانت اور چوری سے اجتناب

جین مت میں چوری، دھوکا اور ناجائز مال حاصل کرنا ممنوع ہے۔
اسلام میں بھی حرام مال، خیانت اور دھوکا سخت گناہ ہیں۔
یہ کامل اخلاقی مشابہت ہے۔

ضبطِ نفس

جین مت خواہشات، غصے، لالچ اور شہوات پر قابو پانے کی تعلیم دیتا ہے۔
اسلام بھی نفسِ امارہ کے خلاف جہاد، صبر، تقویٰ اور تزکیۂ نفس کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔
اہل بیتؑ نے "جہادِ اکبر" کو نفس کے خلاف جدوجہد قرار دیا ہے۔

یہاں نمایاں مشابہت موجود ہے۔

زہد

جین راہب انتہائی سادہ زندگی اختیار کرتے ہیں۔
بعض اوقات وہ دنیاوی اموال کو مکمل طور پر ترک کر دیتے ہیں۔
اسلام میں زہد کا مطلب دنیا کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ دنیا کو دل میں جگہ نہ دینا ہے۔
رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنین حضرت علیؑ اور دیگر اہل بیتؑ زاہد تھے، لیکن وہ تجارت بھی کرتے تھے، حکومت بھی چلاتے تھے، خاندان بھی رکھتے تھے اور معاشرے کی اصلاح بھی کرتے تھے۔
اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

روزہ

جین مت میں مختلف اقسام کے سخت روزے رکھے جاتے ہیں، بعض اوقات کئی دنوں تک۔
اسلام میں بھی روزہ اہم عبادت ہے۔
لیکن اسلام اعتدال کو پسند کرتا ہے اور جسم کو نقصان پہنچانے والی عبادت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

راہبانیت

جین مت میں راہبانہ زندگی روحانی کمال کا اعلیٰ درجہ سمجھی جاتی ہے۔
اسلام میں مستقل راہبانیت نہیں۔
اہل بیتؑ نے عبادت، خاندان، معاشرت اور خدمتِ خلق کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا۔
لہٰذا یہاں بنیادی عملی فرق موجود ہے۔

تمام جانداروں کا احترام

جین مت میں تمام جانداروں کے احترام پر بہت زور دیا جاتا ہے۔
اسلام بھی جانوروں پر ظلم، درختوں کی بے وجہ تباہی، ماحول کو نقصان اور مخلوق پر زیادتی سے منع کرتا ہے۔
یہاں نمایاں اخلاقی مشابہت موجود ہے۔
لیکن اسلام انسان کو خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات قرار دیتا ہے، اس لیے انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان ذمہ داری اور مقام کا فرق بھی بیان کرتا ہے۔

مجموعی تجزیہ

جین مت کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس مذہب کی اصل قوت اس کا اخلاقی اور انفرادی تزکیۂ نفس کا نظام ہے۔ عدمِ تشدد، سچائی، امانت، خواہشات پر قابو، سادہ زندگی، ریاضت، روزہ اور تمام جانداروں کے احترام جیسے اصول اسلام کے اخلاقی نظام سے متعدد مقامات پر قریب محسوس ہوتے ہیں۔

لیکن جب خدا، وحی، نبوت، تخلیقِ کائنات، تناسخ، نجات اور عبادت کے بنیادی عقائد کا جائزہ لیا جائے تو جین مت اور اسلام کے درمیان بنیادی اختلافات سامنے آتے ہیں۔ اسلام اخلاقی کمال کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، عبادت، نبوت، وحی، شریعت اور آخرت کے جامع نظام کے اندر رکھتا ہے، جبکہ جین مت اسے بنیادی طور پر روح کی ذاتی تطہیر اور کرم سے آزادی کے تناظر میں بیان کرتا ہے۔

اسی لیے جین مت کو اخلاقی ریاضت اور انفرادی تزکیۂ نفس کے بعض پہلوؤں میں اسلام سے قریب، لیکن عقائد اور مابعد الطبیعیاتی بنیادوں میں نمایاں طور پر مختلف مذہبی نظام قرار دینا زیادہ علمی اور متوازن نتیجہ ہو گا۔

چوتھا مرحلہ، دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ ہفتم: سکھ مت(Sikhism)

سکھ مت پندرھویں صدی کے آخر میں پنجاب میں ظہور پذیر ہوا اور اس کی بنیاد گرو نانک دیو جی نے رکھی۔ بعد میں نو دیگر گروؤں نے اس روایت کو منظم کیا، یہاں تک کہ گرو گرنتھ صاحب کو دائمی مذہبی رہنما کی حیثیت دی گئی۔ سکھ مت تاریخی طور پر ایک ایسے ماحول میں ابھرا جہاں اسلامی، ہندو اور مقامی روحانی روایات ایک دوسرے کے قریب تھیں۔ اسی وجہ سے اس میں بعض ایسے عناصر موجود ہیں جو قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات سے نمایاں قربت رکھتے ہیں، جبکہ بعض بنیادی عقائد اور مذہبی تصورات اسلام سے مختلف ہیں۔

ایک خدا پر ایمان

سکھ مت کی سب سے نمایاں تعلیم ایک خدا (واہگرو) پر ایمان ہے۔ گرو گرنتھ صاحب کا آغاز ہی خدا کی وحدانیت کے اعلان سے ہوتا ہے۔ خدا کو ازلی، ابدی، خالق، رحیم اور ہر جگہ حاضر و ناظر قرار دیا جاتا ہے۔ یہ تصور اسلام کے عقیدۂ توحید سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ اسلامی توحید اپنی تفصیلی شکل میں نبوتِ خاتم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم، وحیِ قرآنی اور شریعت کے مکمل نظام کے ساتھ مربوط ہے، جبکہ سکھ مت کا الٰہیاتی ڈھانچہ الگ تاریخی ارتقا رکھتا ہے۔

عبادت اور ذکرِ الٰہی

سکھ مت میں نام سِمرَن (خدا کے نام کا ذکر)، کیرتن، اجتماعی عبادت اور روحانی تلاوت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ اسلام میں بھی ذکر، دعا، تسبیح، قرآن کی تلاوت اور اجتماعی عبادات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اہل بیتؑ کی دعاؤں اور اذکار میں مسلسل یادِ الٰہی پر غیر معمولی زور ملتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں نمایاں جزوی مشابہت موجود ہے۔ تاہم اسلامی نماز ایک وحی پر مبنی مخصوص عبادتی نظام ہے جس کی بعینہٖ مثال سکھ مت میں موجود نہیں۔

گرو کا تصور

سکھ مت میں گرو روحانی رہنمائی کا سرچشمہ ہے اور دس تاریخی گروؤں کے بعد گرو گرنتھ صاحب کو دائمی رہنما مانا جاتا ہے۔ اسلام میں بھی علمائے ربانی، اساتذہ اور مربیوں کی اہمیت مسلم ہے، جبکہ شیعہ مکتب میں ہدایت کا اعلیٰ ترین سلسلہ نبوت اور امامت سے مربوط ہے۔ اس لیے یہاں جزوی مشابہت پائی جاتی ہے، مگر اتھارٹی کا مذہبی ڈھانچہ مختلف ہے۔

خدمتِ خلق اور لنگر

سکھ مت کی منفرد خصوصیات میں لنگر اور بلا امتیاز خدمتِ خلق شامل ہیں۔ ہر شخص کو ایک ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا مساوات اور بھائی چارے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام میں بھی بھوکوں کو کھانا کھلانا، مسکینوں کی مدد، مہمان نوازی اور محتاجوں کی کفالت عظیم عبادت شمار ہوتی ہے۔ اہل بیتؑ کی سیرت خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور امام زین العابدینؑ کی زندگیاں خدمتِ خلق کی روشن مثالیں ہیں۔ یہاں تقریباً کامل اخلاقی مشابہت پائی جاتی ہے۔

مساوات اور انسانی کرامت

سکھ مت ذات پات کی تفریق کی مخالفت کرتا ہے اور تمام انسانوں کی برابری پر زور دیتا ہے۔ قرآن بھی اعلان کرتا ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا کیے گئے ہیں اور فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ یہ اصول اسلام اور سکھ مت کے درمیان بہت مضبوط مشابہت رکھتا ہے۔

خاندانی زندگی

سکھ مت شادی، خاندان، محنت اور معاشرتی ذمہ داریوں کو اہمیت دیتا ہے اور عمومی طور پر راہبانیت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اسلام بھی نکاح، خاندان، کسبِ حلال اور

معاشرتی شرکت کو دینی زندگی کا حصہ قرار دیتا ہے۔ یہ میدان نمایاں مشابہت کا حامل ہے۔

محنت اور حلال روزی

سکھ تعلیمات میں ایماندارانہ محنت (کرت کرو)، خدا کا ذکر (نام جپو) اور دوسروں کے ساتھ بانٹ کر کھانا (ونڈ چھکو) بنیادی اصول ہیں۔ اسلام بھی حلال روزی، محنت، تجارت اور سخاوت کو عبادت قرار دیتا ہے۔ یہاں قابلِ ذکر مشابہت موجود ہے۔

ظلم کے خلاف جدوجہد

سکھ تاریخ میں ظلم کے خلاف مزاحمت اور کمزوروں کے دفاع کو اہم مقام حاصل ہے، خصوصاً بعد کے گروؤں کے دور میں۔ اسلام بھی مظلوم کی مدد، عدل کے قیام اور جارحیت کے مقابلے میں دفاع کی تعلیم دیتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں جزوی سے قریب تر مضبوط مشابہت پائی جاتی ہے، اگرچہ دونوں روایات کے تاریخی اور فقہی تناظرات الگ ہیں۔

نبوت اور وحی

یہ وہ مقام ہے جہاں بنیادی فرق نمایاں ہوتا ہے۔ اسلام کے مطابق حضرت محمد صل اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور قرآن آخری آسمانی کتاب ہے۔ سکھ مت نبوت کے

اسلامی تصور کو اسی شکل میں اختیار نہیں کرتا، بلکہ گروؤں کی روحانی رہنمائی اور گرو گرنتھ صاحب کو مرکزی حیثیت دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں بنیادی اختلاف موجود ہے۔

آخرت کا تصور

سکھ مت میں خدا کے قرب، روحانی نجات اور دوبارہ جنم کے چکر سے آزادی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اسلام جنت، جہنم، برزخ، قیامت اور ابدی جزا و سزا کا قائل ہے اور تناسخ یا دوبارہ جنم کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے یہاں جزوی مشابہت (نجات کی خواہش) کے ساتھ اہم اختلاف بھی موجود ہے۔

تناسخ

سکھ مت کی روایتی تعلیمات میں دوبارہ جنم (Rebirth) کا تصور موجود ہے۔ اسلام اس عقیدے کو قبول نہیں کرتا۔ یہاں کوئی حقیقی مشابہت موجود نہیں۔

مذہبی علامات اور رسوم

سکھ مت میں پانچ ککار اور دیگر مذہبی علامات شناخت کا اہم حصہ ہیں۔ اسلام میں بھی بعض شعائر اور ظاہری علامات موجود ہیں، لیکن ان کی شرعی بنیاد، مقصد اور تفصیلات مختلف ہیں۔ اس لیے یہاں زیادہ سے زیادہ ظاہری مشابہت کہی جا سکتی ہے۔

مجموعی تجزیہ

سکھ مت ان مذاہب میں سے ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور بعض اخلاقی و روحانی پہلوؤں کے اعتبار سے اسلام کے نسبتاً قریب محسوس ہوتے ہیں۔ ایک خدا پر ایمان، ذکرِ الٰہی، خدمتِ خلق، مساوات، خاندان کی اہمیت، محنت، سخاوت اور ظلم کے خلاف کھڑے ہونے جیسے اصول قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات سے نمایاں قربت رکھتے ہیں۔ تاہم نبوت، وحی، آخرت کی تفصیلات، تناسخ اور مذہبی اتھارٹی کے بنیادی تصورات میں دونوں کے درمیان واضح اختلافات موجود ہیں۔ اس لیے علمی طور پر یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ سکھ مت کے متعدد اخلاقی اور روحانی اصول اسلام سے جزوی یا بعض مقامات پر بہت مضبوط مشابہت رکھتے ہیں، جبکہ اس کے بعض بنیادی عقائد اسلامی عقیدۂ توحید، نبوتِ خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کے قرآنی تصور سے مختلف ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ ہشتم: تاؤ ازم (Taoism) اور کنفیوشس ازم (Confucianism)

تاؤ ازم اور کنفیوشس ازم چین کی دو عظیم فکری و تہذیبی روایات ہیں۔ یہ دونوں اگرچہ اکثر "مذاہب" کہلاتی ہیں، لیکن اپنی اصل میں یہ مکمل الٰہی شریعتوں سے زیادہ فلسفیانہ،

اخلاقی اور تمدنی نظام ہیں۔ صدیوں تک چینی معاشرہ انہی دونوں روایات کے امتزاج سے تشکیل پاتا رہا۔ ایک طرف تاؤازم انسان اور کائنات کے باطنی ہم آہنگی، سادگی اور فطری زندگی پر زور دیتا ہے، جبکہ دوسری طرف کنفیوشس ازم اخلاق، تعلیم، خاندان، ریاست اور سماجی نظم کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ان دونوں کا مطالعہ دلچسپ ہے، کیونکہ ان میں بہت سے ایسے اخلاقی اور تمدنی اصول موجود ہیں جو قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے مشابہ ہیں، اگرچہ ان کی الٰہیاتی بنیاد، وحی کا تصور اور آخرت کے بارے میں نظریات اسلام سے مختلف ہیں۔

اول: تاؤازم (Taoism)

تاؤازم کی بنیاد عموماً لاؤزے سے منسوب کی جاتی ہے، جن کی کتاب تاؤتے چنگ (Tao Te Ching) چینی فلسفے کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

تاؤ (Dao) کا تصور

تاؤازم میں "تاؤ" سے مراد کائنات کا بنیادی راستہ، نظم، اصول یا حقیقت ہے، جس سے تمام موجودات وابستہ ہیں۔

یہ تصور بظاہر اسلام میں اللہ تعالیٰ کی سنتِ تکوینی یا نظامِ کائنات سے کچھ مشابہ محسوس ہو سکتا ہے، لیکن دونوں ایک نہیں ہیں۔

اسلام میں اللہ ایک ذاتی، صاحبِ ارادہ، خالق اور معبود ہستی ہے، جبکہ تاؤ کو عموماً ایک غیر شخصی کائناتی اصول یا راہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

لہٰذا یہاں جزوی فلسفیانہ مشابہت ہے، مگر الٰہیات میں بنیادی فرق موجود ہے۔

فطرت کے مطابق زندگی

تاؤ ازم انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام بھی انسان کو فطرتِ الٰہیہ کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔

قرآن انسان کی اصل فطرت کو توحید کی طرف مائل قرار دیتا ہے۔

اہل بیتؑ کی تعلیمات میں بھی انسان کی فطرت کی حفاظت پر بہت زور دیا گیا ہے۔

یہاں نمایاں مشابہت موجود ہے۔

فرق یہ ہے کہ اسلام فطرت کو اللہ کی تخلیق اور ہدایت سے جوڑتا ہے، جبکہ تاؤ ازم میں اس کی تعبیر زیادہ فلسفیانہ اور غیر شخصی ہے۔

سادگی

تاؤازم سادہ زندگی، کم خواہشات اور دنیاوی حرص سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے۔
اسلام میں زہد، قناعت، سادگی اور تکلف سے بچنے کی تعلیم موجود ہے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔
یہ تقریباً کامل اخلاقی مشابہت ہے۔

اعتدال

تاؤازم افراط و تفریط سے بچنے کی دعوت دیتا ہے۔
اسلام بھی امتِ وسط اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔
اہل بیتؑ نے ہر معاملے میں میانہ روی کو پسند فرمایا۔
یہ کامل اخلاقی مشابہت ہے۔

عاجزی

تاؤازم میں تکبر کی مذمت اور عاجزی کی تعریف کی گئی ہے۔
اسلام میں تواضع ایمان کی علامت ہے۔
یہ کامل مشابہت ہے۔

خاموشی اور تفکر

تاؤازم کم بولنے، زیادہ سوچنے اور اندرونی سکون پیدا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔
اسلام بھی تفکر، تدبر، ذکر، محاسبۂ نفس اور خاموشی کی اہمیت بیان کرتا ہے۔
اہل بیتؑ کی روایات میں خاموشی کو حکمت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔
یہاں نمایاں مشابہت موجود ہے۔

حکومت

تاؤازم کم سے کم مداخلت والی حکومت (Minimal Government) کی بات کرتا ہے۔
اسلام حکومت کو عدل، تعلیم، امر بالمعروف، حقوق کے تحفظ اور معاشرتی اصلاح کا فعال ذریعہ سمجھتا ہے۔
لہٰذا یہاں جزوی مشابہت ہے۔

عبادت

تاؤازم میں منظم عبادت کا وہ تصور نہیں جو اسلام میں موجود ہے۔

بعد کے مذہبی تاؤازم میں مختلف رسومات، دیوتاؤں اور روحانی ہستیوں کا تصور پیدا ہوا۔
اسلام کے توحیدی نظام سے یہ مختلف ہے۔

آخرت

تاؤازم میں آخرت کا تصور مرکزی حیثیت نہیں رکھتا۔
اسلام میں آخرت پورے عقیدہ کا بنیادی ستون ہے۔
یہاں بنیادی اختلاف ہے۔

تاؤازم کا مجموعی تجزیہ

اگر صرف اخلاق، سادگی، فطرت، عاجزی، سکون، اعتدال اور حکمت کو دیکھا جائے تو تاؤ ازم اور اسلام کے درمیان قابلِ ذکر مشابہت پائی جاتی ہے۔
لیکن جب خدا، وحی، نبوت، عبادت، آخرت اور شریعت کی بات آتی ہے تو دونوں کے درمیان نمایاں فرق سامنے آتا ہے۔

دوم: کنفیوشس ازم(Confucianism)

کنفیوشس ازم کی بنیاد کنفیوشس نے رکھی۔
یہ مذہب سے زیادہ اخلاقی، تعلیمی اور سیاسی فلسفہ ہے۔

اخلاق

کنفیوشس کے نزدیک بہترین انسان وہ ہے جو سچا، دیانت دار، ذمہ دار، مہذب، بردبار اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے والا ہو۔
اسلام میں بھی یہی اخلاق ایمان کا حصہ ہیں۔
یہ تقریباً مکمل اخلاقی مشابہت ہے۔

والدین کا احترام

کنفیوشس ازم میں والدین کی خدمت سب سے بڑی نیکیوں میں شمار ہوتی ہے۔
اسلام میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ کی عبادت کے بعد سب سے بڑی ذمہ داریوں میں شمار کیا گیا ہے۔

یہ کامل مشابہت ہے۔

تعلیم

کنفیوشس نے علم کو انسان کی عظمت کی بنیاد قرار دیا۔
اسلام میں بھی علم کو عبادت اور جہالت کے مقابلے میں روشنی قرار دیا گیا ہے۔
اہل بیتؑ کی تعلیمات میں علم کو انسان کی حقیقی دولت کہا گیا ہے۔
یہ تقریباً مکمل مشابہت ہے۔

کردار سازی

کنفیوشس کے نزدیک معاشرے کی اصلاح قانون سے پہلے انسان کے کردار سے ہوتی ہے۔
اسلام بھی تزکیۂ نفس، تقویٰ اور اخلاقی اصلاح کو تمام اصلاحات کی بنیاد قرار دیتا ہے۔
یہاں نمایاں مشابہت ہے۔

حکومت

کنفیوشس کے مطابق بہترین حکومت وہ ہے جس کا حکمران خود اخلاقی نمونہ ہو۔
اسلام میں بھی رسول اکرم صل اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ نے حکومت کو اخلاقی ذمہ داری قرار دیا ہے۔
خصوصاً امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی حکومت اس تصور کی اعلیٰ مثال ہے۔
یہ نمایاں مشابہت ہے۔

قانون

کنفیوشس اخلاق کو قانون سے زیادہ مؤثر سمجھتے ہیں۔
اسلام میں اخلاق بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے ساتھ عادلانہ قانون بھی ضروری ہے۔
لہٰذا یہاں جزوی مشابہت ہے۔

عبادت

کنفیوشس ازم میں عبادت مرکزی موضوع نہیں۔
اسلام میں عبادت انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔
یہاں بنیادی فرق موجود ہے۔

خدا

کنفیوشس نے خدا کے وجود کی واضح فلسفیانہ تشریح نہیں کی۔
ان کی توجہ زیادہ تر اخلاق اور معاشرت پر رہی۔
اسلام میں اللہ تعالیٰ پورے نظام کا مرکز ہے۔
یہاں بنیادی فرق ہے۔

آخرت

کنفیوشس نے آخرت پر زیادہ گفتگو نہیں کی۔
اسلام آخرت کو پورے دین کی بنیاد قرار دیتا ہے۔
یہاں بھی بنیادی اختلاف موجود ہے۔

کنفیوشس ازم کا مجموعی تجزیہ

کنفیوشس ازم کو اگر اخلاق، تعلیم، خاندان، ریاست، قیادت، ذمہ داری، کردار سازی اور معاشرتی نظم کے زاویے سے دیکھا جائے تو اسلام کے ساتھ اس کی قابلِ ذکر مشابہت سامنے آتی ہے۔

لیکن یہ مشابہت زیادہ تر اخلاقی اور تمدنی میدان میں ہے، نہ کہ الٰہیات، نبوت، وحی، عبادت اور آخرت کے میدان میں۔

تاؤ ازم اور کنفیوشس ازم کا مجموعی تقابلی نتیجہ

ان دونوں چینی روایات کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے انسانی اخلاق، حکمت، اعتدال، کردار سازی، سماجی نظم اور خاندان کی اہمیت کو غیر معمولی انداز میں اجاگر کیا۔ یہی وہ میدان ہیں جہاں قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات سے کئی نمایاں مشترکات نظر آتی ہیں۔

تاہم اسلام کی جامعیت اس مقام پر واضح ہوتی ہے کہ وہ ان تمام اخلاقی اور تمدنی اصولوں کو صرف انسانی تجربے یا فلسفیانہ حکمت پر نہیں بلکہ توحید، وحی، نبوت، امامت (شیعہ نقطۂ نظر)، آخرت اور الٰہی ذمہ داری کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اس طرح اخلاق، سیاست، معیشت، عبادت اور روحانیت ایک مربوط نظام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

چوتھا مرحلہ: دنیا کے بڑے ادیان کا انفرادی تقابلی تجزیہ

حصہ نہم: شنتو (Shinto)، بہائیت (Bahá’í Faith) اور دیگر اہم روحانی روایات

اس مرحلے میں ان مذہبی اور روحانی روایات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جن کے ماننے والوں کی تعداد اگرچہ بعض بڑے مذاہب سے کم ہے، لیکن ان کا تہذیبی، فکری اور تاریخی اثر نمایاں ہے۔ قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ انسانی فطرت، اخلاق اور سماجی زندگی کے بعض اصول مختلف تہذیبوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں، جبکہ توحید، نبوت، وحی، امامت، عبادت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد میں نمایاں فرق موجود رہتا ہے۔

اول: شنتو (Shinto)

شنتو جاپان کی قدیم ترین مذہبی روایت ہے۔ اس کا بنیادی زور کسی منظم عقیدۂ توحید یا آسمانی شریعت پر نہیں بلکہ فطرت، آباؤ اجداد، قومی روایات اور کامی (Kami) کہلانے والی روحانی ہستیوں کے احترام پر ہے۔

فطرت کا احترام

شنتو میں پہاڑ، دریا، جنگلات، قدیم درخت اور قدرتی مظاہر قابلِ احترام سمجھے جاتے ہیں۔
اسلام بھی زمین کو اللہ کی نشانی قرار دیتا ہے اور قرآن بار بار انسان کو آفاقی نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔
اہل بیتؑ نے درخت لگانے، جانوروں کے حقوق اور ماحول کی حفاظت کی تعلیم دی ہے۔
یہاں جزوی اخلاقی و تمدنی مشابہت موجود ہے۔
فرق یہ ہے کہ اسلام فطرت کی عبادت نہیں بلکہ اس کے ذریعے خالق کی معرفت کی دعوت دیتا ہے۔

طہارت

شنتو میں جسمانی اور ظاہری پاکیزگی کو عبادت سے پہلے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔
اسلام میں وضو، غسل، طہارتِ لباس، طہارتِ بدن اور طہارتِ قلب عبادت کی شرط ہیں۔
یہ نمایاں مشابہت ہے۔
لیکن اسلام ظاہری طہارت کے ساتھ باطنی تقویٰ کو بھی اصل معیار قرار دیتا ہے۔

آباؤاجداد کا احترام

شنتو میں اسلاف کی یاد اور احترام کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔
اسلام بھی والدین، بزرگوں اور صالحین کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔
لیکن اسلام اس احترام کو عبادت یا فوق الفطری تقدیس کی شکل نہیں دیتا۔
اس لیے یہاں جزوی مشابہت ہے۔

متعدد روحانی ہستیاں (Kami)

شنتو میں کامی مختلف قدرتی اور روحانی قوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔
اسلام میں عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔
لہٰذا اگر کامی کو عبادت یا الوہیت کا درجہ دیا جائے تو یہ اسلامی توحید سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

مجموعی تجزیہ

شنتو میں فطرت، پاکیزگی، نظم اور تہذیبی ہم آہنگی کے بعض عناصر اسلام سے مشابہ ہیں، لیکن اس کی مذہبی بنیاد اور عبادتی نظام اسلام سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔

دوم: بہائیت (Bahá’í Faith)

بہائیت انیسویں صدی میں ایران میں وجود میں آئی۔ اس کی بنیاد بہاء اللہ کی تعلیمات پر قائم ہے۔
اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ایک حساس اور بنیادی اعتقادی موضوع ہے، کیونکہ بہائیت کا مرکزی دعویٰ اسلام کے عقیدۂ ختمِ نبوت سے متعلق ہے۔

خدا کا تصور

بہائیت ایک خدا پر ایمان رکھتی ہے۔
یہ اسلام سے ظاہری اور جزوی مشابہت رکھتا ہے۔

اخلاق

بہائیت سچائی، محبت، خدمتِ خلق، تعلیم، خواتین کی تعلیم، عالمی امن اور انسانیت کے اتحاد پر زور دیتی ہے۔
یہ تمام اصول اسلام میں بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہیں۔
لہٰذا اخلاقی میدان میں نمایاں مشابہت پائی جاتی ہے۔

عالمی وحدت

بہائیت پوری انسانیت کے اتحاد اور عالمی امن کی بات کرتی ہے۔
اسلام بھی تمام انسانوں کی وحدتِ انسانی کو تسلیم کرتا ہے اور پوری انسانیت کو ایک اصل سے پیدا شدہ قرار دیتا ہے۔
البتہ اسلام اس وحدت کی بنیاد توحید، عدل اور وحی کو قرار دیتا ہے۔

ختم نبوت

یہ سب سے بنیادی اختلاف ہے۔
اسلام کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نئی نبوت یا نئی شریعت نہیں آسکتی۔
بہائیت اس کے برعکس بعد کی وحی اور بعد کے الٰہی مظاہر (Manifestations) کا نظریہ پیش کرتی ہے۔
قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی وجہ سے بہائیت کا اعتقادی ڈھانچہ اسلامی عقیدۂ ختم نبوت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

شریعت

بہائیت نے اپنے مستقل احکام، عبادات اور مذہبی قوانین مرتب کیے ہیں۔
اسلام میں قرآن اور سنتِ رسول صل اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری اور مکمل شریعت ہیں۔
لہٰذا یہاں بھی بنیادی اختلاف موجود ہے۔

مجموعی تجزیہ

اخلاق، تعلیم، امن اور خدمتِ خلق جیسے میدانوں میں بہائیت اور اسلام کے درمیان کئی مشترک اصول ملتے ہیں، لیکن ختم نبوت، وحی، شریعت اور مذہبی مرجعیت کے بنیادی عقائد میں دونوں کے درمیان بنیادی اختلاف موجود ہے۔

سوم: افریقی روایتی ادیان (African Traditional Religions)

افریقہ کے مختلف علاقوں میں سینکڑوں قدیم مذہبی روایات موجود ہیں، اس لیے ان سب پر ایک ہی حکم لگانا درست نہیں۔

ان میں بعض مشترک عناصر درج ذیل ہیں۔

کائنات کے ایک اعلیٰ خالق کا تصور بعض روایات میں موجود ہے، جو اسلام سے جزوی مشابہت رکھتا ہے۔

آباء و اجداد کا احترام تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے، جو اسلامی احترامِ والدین سے کسی حد تک مشابہ ہے، لیکن اگر اسے عبادت یا غیبی تصرفات کے اعتقاد تک پہنچایا جائے تو اسلامی عقیدہ اس سے مختلف ہو جاتا ہے۔

اخلاق، قبیلے کی حفاظت، وعدہ پورا کرنا، مہمان نوازی، اجتماعی ذمہ داری اور انصاف جیسے اصول متعدد افریقی معاشروں میں موجود ہیں، جو اسلام سے قابلِ ذکر مشابہت رکھتے ہیں۔

اس کے برعکس جادو، ارواح کی عبادت، توہمات یا متعدد الوہی قوتوں پر ایمان رکھنے والی روایات اسلامی توحید سے مختلف ہیں۔

چہارم: مقامی امریکی (Native American) روحانی روایات

امریکہ کے مقامی قبائل کی روحانی روایات بھی انتہائی متنوع ہیں۔
ان میں فطرت کے احترام، جانوروں کے ساتھ تعلق، قبائلی ذمہ داری، اجتماعی مشاورت اور روحانی نظم جیسے عناصر ملتے ہیں۔
اسلام بھی زمین کو امانت، جانوروں کو اللہ کی مخلوق اور مشاورت کو اجتماعی زندگی کا اہم اصول قرار دیتا ہے۔
یہاں کئی اخلاقی اور تمدنی مشابہتیں موجود ہیں۔
لیکن اگر سورج، چاند، ارواح یا قدرتی مظاہر کو عبادت یا فوق الفطری الوہیت کا مقام دیا جائے تو وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے مختلف ہو جاتا ہے۔

پنجم: جدید روحانیت (New Spirituality)

جدید دنیا میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے جسے "روحانی مگر مذہبی نہیں (Spiritual but not Religious)" کہا جاتا ہے۔
اس میں مراقبہ، مثبت سوچ، ذہنی سکون، کائناتی توانائی، خود شناسی اور ذاتی تجربے پر زور دیا جاتا ہے۔
اسلام بھی خود احتسابی، تزکیۂ نفس، ذکر، تفکر اور روحانی ارتقا کی تعلیم دیتا ہے۔
لیکن اسلام میں روحانیت ہمیشہ اللہ تعالیٰ، وحی، شریعت اور اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ مربوط ہوتی ہے، جبکہ جدید روحانیت میں اکثر یہ ربط موجود نہیں ہوتا۔

اس لیے یہاں بعض نفسیاتی اور اخلاقی مشابہتیں تو موجود ہیں، مگر بنیادیں مختلف ہیں۔

اس مرحلے کا مجموعی نتیجہ

شنتو، افریقی روایتی ادیان، مقامی امریکی روحانی روایات اور جدید روحانیت کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسانی فطرت دنیا کے مختلف خطوں میں بعض مشترک اخلاقی اقدار پیدا کرتی رہی ہے، جیسے پاکیزگی، سچائی، خاندان، خدمت، فطرت سے تعلق، اجتماعی ذمہ داری اور روحانی سکون کی جستجو۔ یہ مشترکات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کی فطرت بنیادی اخلاقی اصولوں کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

لیکن قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ان تمام اخلاقی اور روحانی اقدار کو ایک جامع الٰہی نظام میں مربوط کر دیتی ہیں، جس کی بنیاد توحید، عدل، نبوت، امامت (شیعہ مکتب کے مطابق)، وحی، عبادت، شریعت، آخرت اور انسانی خلافت پر قائم ہے۔ اسی وجہ سے اسلام محض اخلاقی فلسفہ یا روحانی تجربہ نہیں بلکہ فرد، معاشرہ، ریاست، معیشت، تعلیم، ثقافت، قانون اور آخرت تک محیط ایک مکمل نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔

دنیا کے ادیان اور ثقلینی تعلیمات میں مشابہت واختلاف

پانچواں مرحلہ

تمام ادیان کا جامع نظریاتی تجزیہ

قرآن و معصومینؑ کی تعلیمات کی روشنی میں مشترکات، امتیازات اور جامعیت

اب تک کے مطالعے میں یہ واضح ہوا کہ دنیا کے بڑے مذاہب اور روحانی روایات میں بے شمار ایسے اصول موجود ہیں جو ایک دوسرے سے مشابہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم یہ مشابہت ہمیشہ ایک جیسی نوعیت کی نہیں ہوتی۔ بعض مقامات پر یہ اس قدر گہری ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے ایک ہی الٰہی سرچشمے سے نکلی ہو، بعض جگہ یہ صرف انسانی عقل اور فطرت کی مشترکہ دریافت معلوم ہوتی ہے، اور بعض جگہ صرف ظاہری الفاظ یا رسوم کی مماثلت پائی جاتی ہے جبکہ حقیقت اور فلسفہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔

قرآن کریم ایک ایسا اصول بیان کرتا ہے جو اس پورے تقابلی مطالعے کی بنیاد فراہم کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر امت کی طرف ہدایت کے لیے رہنما بھیجے۔ اس بنا پر یہ بعید نہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں میں پائے جانے والے بعض اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اصول کسی نہ کسی درجے میں قدیم الٰہی تعلیمات کی بازگشت ہوں، اگرچہ ان کی موجودہ صورت میں تاریخی تبدیلیاں، فلسفیانہ تعبیرات اور ثقافتی اثرات بھی شامل ہو چکے ہوں۔ البتہ یہ بات ہر مذہب یا ہر مشترک عقیدے کے بارے میں قطعی طور پر نہیں کہی جا سکتی، کیونکہ قرآن نے ہر روایت کی الگ الگ تاریخی تفصیل بیان نہیں کی۔

تمام ادیان میں پائے جانے والے مشترک اخلاقی اصول

اگر پوری دنیا کے مذاہب کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند بنیادی اخلاقی اقدار تقریباً ہر تہذیب اور ہر مذہبی روایت میں کسی نہ کسی صورت موجود ہیں۔

سچائی کو فضیلت سمجھنا، جھوٹ کی مذمت، والدین کے احترام، خاندان کی اہمیت، امانت داری، ظلم سے نفرت، محتاجوں کی مدد، سخاوت، وعدہ پورا کرنا، معاشرتی نظم، دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک، ضبطِ نفس، عاجزی، حرص کی مذمت، روحانی سکون کی جستجو، اور انسان کے اخلاقی ارتقاء کی ضرورت جیسے اصول دنیا کے تقریباً تمام بڑے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔

یہ حقیقت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسانی فطرت (فطرتِ الٰہیہ) بنیادی اخلاقی حقائق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ قرآن بھی انسان کے اندر خیر و شر کی پہچان کی استعداد کا ذکر کرتا ہے، اور اہل بیتؑ کی روایات میں عقل کو حجتِ باطنی قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے یہ اخلاقی مشترکات صرف تاریخی اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ انسانی فطرت اور عقل کے بھی مظہر ہو سکتے ہیں۔

صرف ابراہیمی ادیان میں نمایاں مشترکات

جب اسلام، یہودیت اور مسیحیت کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو ان کے درمیان چند بنیادی اعتقادی اصول مشترک نظر آتے ہیں۔

ایک خالق خدا پر ایمان، وحی، نبوت، فرشتوں کا وجود، دعا، عبادت، قیامت، حساب، جنت و جہنم، اخلاقی ذمہ داری، الٰہی قانون اور تاریخ میں خدا کی مداخلت جیسے تصورات تینوں ادیان میں کسی نہ کسی درجے میں موجود ہیں۔

البتہ اسلام کے مطابق ان میں سے بعض تعلیمات وقت کے ساتھ تحریف یا مختلف تعبیرات کا شکار ہوئیں، جبکہ قرآن کو آخری محفوظ وحی قرار دیا گیا ہے۔

مشرقی مذاہب میں نمایاں مشترکات

ہندو مت، بدھ مت، جین مت، تاؤازم اور کنفیوشس ازم جیسے مذاہب میں زیادہ زور انسان کی باطنی اصلاح، خواہشات پر قابو، نفس کی تربیت، سکونِ قلب، اخلاق، مراقبہ، سادگی، اعتدال، خاندان، تعلیم، اور سماجی نظم پر دیا گیا ہے۔
یہ اصول اسلام کے اخلاقی نظام سے متعدد مقامات پر قریب محسوس ہوتے ہیں۔
لیکن ان مذاہب میں خدا، وحی، نبوت، آخرت اور نجات کی تعبیرات اسلام سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔

صرف اسلام کی منفرد خصوصیات

یہاں وہ مقام آتا ہے جہاں قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات اپنی غیر معمولی جامعیت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔
اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں توحید صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ پورے نظامِ حیات کی بنیاد ہے۔ عبادت، سیاست، معیشت، تعلیم، قانون، اخلاق، خاندان، حکومت، جنگ، امن، ثقافت اور سائنس سب اسی توحیدی تصور سے مربوط ہو جاتے ہیں۔
دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام روح اور مادہ کے درمیان کوئی تصادم پیدا نہیں کرتا۔ بہت سے مذاہب یا تو روحانیت پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ دنیاوی زندگی ثانوی ہو جاتی ہے، یا دنیاوی زندگی کو اس حد تک اہم بنا دیتے ہیں کہ روحانی ارتقاء پس منظر میں چلا جاتا

ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات میں دنیا مزرعۂ آخرت بھی ہے، میدانِ امتحان بھی، عدل کے قیام کی جگہ بھی اور انسان کی اجتماعی ذمہ داریوں کا مرکز بھی۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام عبادت کو صرف انفرادی عمل نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے سماجی عدل، اقتصادی دیانت، سیاسی ذمہ داری اور اخلاقی کردار کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس، حج، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد، قضا، تجارت، نکاح اور حکومت ایک مربوط دینی نظام کے اجزاء ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات اسلام کے نظریاتی اصولوں کو عملی نمونہ بنا کر پیش کرتی ہیں۔ ان کی سیرت میں عبادت اور سیاست، زہد اور حکومت، علم اور جہاد، عدل اور رحمت، عقل اور عشق، فرد اور معاشرہ، دنیا اور آخرت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ مکمل ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

قرآن کی جامعیت

قرآن کریم کا امتیاز یہ نہیں کہ اس نے صرف اچھے اخلاق کی تعلیم دی، کیونکہ اخلاق کی تعلیم دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہے۔ اس کا اصل امتیاز یہ ہے کہ اس نے انسان کے وجود کے ہر پہلو کو ایک واحد الٰہی نظام میں جمع کر دیا۔

قرآن عقیدہ بھی دیتا ہے، عبادت بھی سکھاتا ہے، قانون بھی بناتا ہے، معیشت بھی منظم کرتا ہے، خاندان بھی تشکیل دیتا ہے، ریاست بھی قائم کرتا ہے، جنگ و امن کے اصول

بھی دیتا ہے، تعلیم و تربیت بھی کرتا ہے، تاریخ کا فلسفہ بھی بیان کرتا ہے، کائنات پر غور کی دعوت بھی دیتا ہے، نفس کی تربیت بھی کرتا ہے، اور آخرت کی تیاری بھی کراتا ہے۔
یہ جامعیت کسی دوسرے مذہبی متن میں اسی درجے میں یکجا نظر نہیں آتی۔

اہل بیتؑ کی تعلیمات کی انفرادیت

شیعہ نقطۂ نظر سے اہل بیت علیہم السلام قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔
ان کی تعلیمات میں عقل، فطرت، وحی، اخلاق، سیاست، عدالت، معیشت، تعلیم، نفسیات، خاندان، عرفان، فقہ، قضا، حکومت، بین الاقوامی تعلقات اور تمدن ایک ہی الٰہی نظام کے مختلف پہلو ہیں۔
اسی لیے اہل بیتؑ کی میراث صرف فقہی احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ مکمل اسلامی تمدنی نظریہ (Civilizational Vision) پیش کرتی ہے۔

مشترکات کی حقیقی توجیہ

اب ایک بنیادی سوال سامنے آتا ہے کہ مختلف مذاہب میں یہ مشترکات آخر کیوں پائی جاتی ہیں؟
قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات کی روشنی میں اس کی کم از کم چار ممکنہ توجیہات سامنے آتی ہیں:

اول یہ کہ انسان کی فطرت بنیادی اخلاقی حقائق کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اس لیے مختلف تہذیبوں میں بعض اصول ازخود دریافت ہو سکتے ہیں۔

دوم یہ کہ مختلف اقوام کی طرف انبیاء مبعوث ہوئے، جن کی اصل تعلیمات کے بعض آثار بعد کی روایات میں باقی رہ گئے۔

سوم یہ کہ انسانی عقل تجربے اور اجتماعی زندگی کے ذریعے بعض اخلاقی اور سماجی اصولوں تک پہنچ سکتی ہے۔

چہارم یہ کہ تہذیبوں کے باہمی روابط، تجارتی تعلقات اور تاریخی تعامل کے ذریعے بھی بعض تصورات ایک دوسرے تک منتقل ہوئے۔

ان چاروں عوامل نے مختلف زمانوں میں مختلف معاشروں میں اپنا کردار ادا کیا ہو گا، اور کسی ایک عامل کو تمام مشترکات کی واحد وجہ قرار دینا علمی احتیاط کے خلاف ہو گا۔

آخری نظریاتی نتیجہ

اس پورے تقابلی مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے مذاہب کو دو انتہاؤں کے درمیان نہیں دیکھنا چاہیے؛ نہ یہ کہنا درست ہے کہ سب مذاہب مکمل طور پر ایک ہی چیز ہیں، اور نہ یہ کہ ان میں کوئی مشترک حقیقت موجود ہی نہیں۔

زیادہ متوازن نتیجہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب میں انسانی فطرت، عقل اور ممکنہ قدیم الٰہی تعلیمات کی وجہ سے متعدد مشترک اخلاقی اور روحانی اصول موجود ہیں۔ لیکن قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ان منتشر حقائق کو ایک کامل، منظم،

وحی پر مبنی اور ہمہ گیر نظامِ حیات میں مربوط کر دیتی ہیں، جس میں عقیدہ، عبادت، اخلاق، قانون، تعلیم، معیشت، سیاست، تمدن، روحانیت اور آخرت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی توحیدی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔

اسی جامعیت کی بناپر، شیعہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق، قرآن اور اہل بیتؑ کی تعلیمات نہ صرف سابقہ الٰہی تعلیمات کی تصدیق کرتی ہیں بلکہ ان کی تکمیل، حفاظت اور صحیح تفسیر بھی فراہم کرتی ہیں، جبکہ اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ دیگر مذاہب اور روایات کے بارے میں تاریخی اور اعتقادی فیصلے کرتے وقت وہاں موجود تنوع اور اختلافات کو نظر انداز نہ کیا جائے اور ہر روایت کا جائزہ علمی دیانت کے ساتھ لیا جائے۔

استعماری، سامراجی یا جدید سیاسی مفادات سے وابستہ مذہبی وروحانی تحریکیں

اس موضوع کو تین الگ زمروں میں تقسیم کر کے دیکھنا زیادہ درست ہو گا۔

پہلا زمرہ وہ تحریکیں ہیں جن کے بارے میں استعماری یا سامراجی سرپرستی کے نسبتاً مضبوط تاریخی شواہد یا وسیع علمی بحث موجود ہے۔

دوسرا زمرہ وہ تحریکیں ہیں جن کے بارے میں یہ دعوے کیے جاتے ہیں لیکن ان پر مؤرخین میں شدید اختلاف ہے۔
تیسرا زمرہ وہ فکری و روحانی رجحانات ہیں جنہیں جدید عالمی طاقتوں، سرمایہ دارانہ نظام، میڈیا یا ثقافتی صنعت نے فروغ دیا، اگرچہ وہ روایتی معنی میں "مذہب" نہیں ہیں۔

پہلا مرحلہ :استعماری دور میں وجود میں آنے والی یا نمایاں ہونے والی مذہبی تحریکیں، جیسے بہائیت، احمدیہ تحریک، مورمن ازم، یہوواہ وٹنس، کرسچن سائنس، تھیوسوفیکل سوسائٹی، روحانیت (Spiritualism) وغیرہ، اور ہر ایک کے تاریخی پس منظر، بانی، نظریات، استعماری روابط کے دعووں اور ان پر موجود علمی شواہد کا تجزیہ۔

دوسرا مرحلہ :جدید "متبادل روحانیت(New Age) "، نیو تھوٹ، سیلف ہیلپ کلٹس، اوشو تحریک، سائنٹولوجی، راجنیش ازم، فالون گونگ، یونیفیکیشن چرچ، اور دیگر جدید مذہبی تحریکوں کا جائزہ، نیز یہ کہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور میڈیا نے ان کے پھیلاؤ میں کیا کردار ادا کیا۔
تیسرا مرحلہ :ایسی فکری تحریکیں جنہیں بعض مفکرین "سیکولر مذاہب Secular Religions) " کہتے ہیں، جیسے مطلق قوم پرستی، نسل پرستی، کمیونزم کی شخصیت پرستی، فاشزم، مارکیٹ پرستی(Market Fundamentalism) ، ٹرانس ہیومنزم، اور یہ کہ یہ کس طرح مذہبی ساخت اختیار کرتی ہیں۔

چوتھا مرحلہ :اسلامی دنیا میں استعماری طاقتوں کی جانب سے مختلف ادوار میں فرقہ وارانہ تقسیم، مذہبی انجینئرنگ، مشنری سرگرمیوں، اور مذہبی شناختوں کے سیاسی استعمال کا تاریخی مطالعہ، جس میں صرف مستند تاریخی دستاویزات اور مختلف علمی آراء کی روشنی میں بحث ہوگی، نہ کہ غیر ثابت شدہ دعووں کی بنیاد پر۔

پہلا مرحلہ

(جن کے بارے میں استعماری یا سیاسی روابط پر نمایاں تاریخی بحث موجود ہے)

1۔ بہائیت(Bahá'í Faith)

تعارف

انیسویں صدی میں ایران میں بابیت سے نکل کر وجود میں آنے والی تحریک جس کے بانی بہاء اللہ تھے۔ اس کا مرکزی نظریہ تمام مذاہب کی وحدت، عالمی امن، عالمی حکومت اور مسلسل الٰہی ظہور (Progressive Revelation) ہے۔

استعماری تعلقات پر بحث

اسلامی دنیا خصوصاً ایران میں بہت سے علماء کا موقف ہے کہ روسی اور بعد ازاں برطانوی حکومتوں نے مختلف ادوار میں بہائی قیادت کو سیاسی تحفظ دیا تاکہ قاجار اور بعد میں اسلامی مزاحمتی قوتوں کو کمزور کیا جاسکے۔ بعض تاریخی واقعات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ روس اور برطانیہ نے بعض مواقع پر بہائی شخصیات کو سفارتی تحفظ دیا، لیکن مغربی مؤرخین عام طور پر یہ نہیں مانتے کہ بہائیت مکمل طور پر انہی طاقتوں کی تخلیق تھی۔ اس لیے "استعماری سرپرستی" اور "استعماری تخلیق" میں فرق کرنا ضروری ہے۔

بنیادی مقصد

عالمی وحدت، نئی شریعت، ختم نبوت کے بعد نئی الٰہی رہنمائی، اور عالمی مذہبی اتحاد۔

3۔ احمدیہ تحریک

تعارف

انیسویں صدی کے آخر میں برطانوی ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ ان کے دعووں کی نوعیت وقت کے ساتھ بدلتی رہی اور بالآخر انہیں مسیح موعود اور مہدی کے ساتھ ایک خاص مذہبی منصب سے تعبیر کیا گیا۔

استعماری تعلقات پر بحث

بہت سے مسلم علماء کا موقف ہے کہ برطانوی حکومت نے اس تحریک کو اس لیے برداشت یا سہولت دی کیونکہ اس کی بعض تعلیمات، خصوصاً مسلح جہاد کے بارے میں

موقف، برطانوی مفادات سے متصادم نہیں تھا۔ تاہم یہ کہنا کہ پوری تحریک برطانوی حکومت نے خود بنائی، اس پر مؤرخین میں اتفاق نہیں۔

بنیادی مقصد

بانی کے دعووں کو قبول کرنا، مذہبی اصلاح، اور ان کی مخصوص تعبیر کے مطابق اسلام کی تجدید۔

3۔ مورمن ازم (Mormonism)

تعارف

انیسویں صدی میں امریکہ میں جوزف اسمتھ نے اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کی مقدس کتاب "Book of Mormon" ہے اور یہ خود کو مسیحی روایت کا تسلسل قرار دیتی ہے۔

استعماری تعلقات پر بحث

اسے کسی یورپی سامراجی طاقت کی تخلیق قرار دینے کے شواہد موجود نہیں۔ تاہم بعد میں امریکی معاشرت، سیاست اور ثقافت میں اس کا اثر بڑھا، اور بعض ناقدین اسے امریکی قومی شناخت کے ساتھ جڑی مذہبی تحریک سمجھتے ہیں۔

بنیادی مقصد

مسیحیت کی از سرِ نو بحالی، نئی وحی، اور امریکہ کو مذہبی تاریخ میں خصوصی مقام دینا۔

4۔یہوواہ وِٹنس(Jehovah's Witnesses)

تعارف

چارلس ٹیز رسل نے انیسویں صدی میں امریکہ میں اس تحریک کی بنیاد رکھی۔

استعماری تعلقات پر بحث

اسے استعماری تخلیق قرار دینے کے مستند شواہد موجود نہیں۔ البتہ بعض ریاستوں نے مختلف ادوار میں اس کے عالمی تنظیمی نیٹ ورک پر سوالات اٹھائے ہیں۔

بنیادی مقصد

بائبل کی مخصوص تعبیر، قریب الوقوع آخری زمانہ، اور منظم تبلیغی نظام۔

5۔ کرسچن سائنس(Christian Science)

تعارف

میری بیکر ایڈی نے انیسویں صدی میں امریکہ میں اس تحریک کی بنیاد رکھی۔

استعماری تعلقات پر بحث

استعماری تخلیق ہونے کے شواہد موجود نہیں، لیکن یہ جدید مغربی مذہبی اصلاحی تحریکوں میں شمار ہوتی ہے۔

بنیادی مقصد

روحانی علاج، دعا کے ذریعے شفا، اور بیماری کی مخصوص مذہبی تعبیر۔

6۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی (Theosophical Society)

تعارف

1875ء میں ہیلینا بلاواٹسکی اور ان کے ساتھیوں نے اس کی بنیاد رکھی۔

استعماری تعلقات پر بحث

یہ تحریک براہِ راست استعماری حکومت کی تخلیق ثابت نہیں، لیکن برطانوی ہندوستان میں اس نے مشرقی مذاہب، باطنی علوم اور مغربی تصوف کے امتزاج کو فروغ دیا۔ بعض مسلم اور ہندو مفکرین نے اسے نو آبادیاتی دور کی ثقافتی انجینئرنگ کا حصہ قرار دیا، جبکہ بہت سے مغربی محققین اسے ایک آزاد روحانی تحریک سمجھتے ہیں۔

بنیادی مقصد

تمام مذاہب کی باطنی وحدت، خفیہ علوم، تناسخ، روحانی ارتقاء اور مشرقی و مغربی تصوف کا امتزاج۔

پہلے مرحلے کا خلاصہ

اس مرحلے میں جن تحریکوں کا ذکر ہوا، ان میں بہائیت اور احمدیہ تحریک کے بارے میں استعماری سرپرستی یا سیاسی استعمال پر سب سے زیادہ تاریخی بحث موجود ہے، اگرچہ ان کی مکمل "استعماری تخلیق" پر اتفاق نہیں۔ جبکہ مورمن ازم، یہوواہ وٹنس، کرسچن سائنس اور تھیوسوفیکل سوسائٹی کو زیادہ تر جدید مذہبی تحریکیں سمجھا جاتا ہے، نہ کہ ثابت شدہ استعماری منصوبے۔

دوسرا مرحلہ

(جدید روحانی تحریکیں اور وہ رجحانات جنہیں عالمی ثقافتی یا سرمایہ دارانہ نظام سے تقویت ملی)

یہ مرحلہ ان تحریکوں پر مشتمل ہے جو زیادہ تر بیسویں اور اکیسویں صدی میں وجود میں آئیں یا عالمی سطح پر پھیلیں۔ ان میں سے اکثر کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں کسی ریاست نے تخلیق کیا، البتہ متعدد محققین کا خیال ہے کہ جدید میڈیا، سرمایہ دارانہ نظام، اشاعتی صنعت اور بعض اوقات ریاستی مفادات نے ان کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

1۔ نیو ایج (New Age Movement)

تعارف

یہ کوئی ایک مذہب نہیں بلکہ مختلف عقائد، روحانی مشقوں اور فلسفوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہندومت، بدھ مت، مغربی تصوف، نجوم، کرسٹل تھراپی، کائناتی توانائی، یوگا، مراقبہ اور نفسیات کو ملا کر ایک نئی روحانیت پیش کی جاتی ہے۔

مقاصد

روایتی مذاہب سے ہٹ کر ذاتی روحانیت، خود شناسی، مثبت سوچ، کائناتی شعور اور باطنی سکون حاصل کرنا۔

اہم رسوم

مراقبہ، توانائی کی مشقیں، کرسٹل کا استعمال، نجومی رہنمائی، روحانی ورکشاپس اور متبادل علاج۔

تنقیدی تجزیہ

بعض مفکرین کے نزدیک یہ جدید صارفیت (Consumerism) کے مطابق ڈھلی ہوئی روحانیت ہے، جس میں روحانی تجربہ بھی ایک "مصنوع (Product) "بن جاتا ہے۔ تاہم اسے کسی ایک استعماری طاقت کی تخلیق قرار دینے کے مستند شواہد موجود نہیں۔

2۔ سائنٹولوجی (Scientology)

تعارف

اس کی بنیاد 1950ء کی دہائی میں ایل رون ہبارڈ نے رکھی۔ اس میں نفسیاتی، روحانی اور تنظیمی عناصر کو ملا کر ایک نیا مذہبی نظام بنایا گیا۔

مقاصد

انسان کو ذہنی رکاوٹوں سے آزاد کر کے ایک اعلیٰ روحانی حالت تک پہنچانا۔

اہم رسوم

آڈیٹنگ (Auditing)، مخصوص تربیتی کورسز، اور تنظیمی درجات۔

تنقیدی تجزیہ

اس پر مالیاتی شفافیت، سخت تنظیمی ڈھانچے اور اراکین پر کنٹرول جیسے اعتراضات کیے گئے ہیں۔ بعض ناقدین اسے مذہب سے زیادہ ایک کارپوریٹ ادارہ قرار دیتے ہیں، لیکن اسے کسی حکومت کی تخلیق ثابت نہیں کیا جا سکا۔

3۔ اوشو (راجنیش) تحریک

تعارف

اس تحریک کی بنیاد راجنیش (اوشو) نے رکھی۔ اس میں مشرقی مراقبہ، مغربی نفسیات، شخصی آزادی اور روایتی مذہبی اقدار پر تنقید کو یکجا کیا گیا۔

مقاصد

انفرادی آزادی، ذہنی جمود سے نجات، مراقبہ اور ذاتی تجربے پر مبنی روحانیت۔

اہم رسوم

متحرک مراقبہ(Dynamic Meditation)، اجتماعی روحانی نشستیں اور نفسیاتی تربیت۔

تنقیدی تجزیہ

اس تحریک پر مغربی صارفیت اور شخصی لذت پسندی سے قربت کے اعتراضات کیے گئے، لیکن اسے استعماری منصوبہ قرار دینے کے شواہد موجود نہیں۔

4۔یونیفیکیشن چرچ(Unification Church)

تعارف

جنوبی کوریا میں سن میونگ مون نے اس کی بنیاد رکھی۔

مقاصد

مسیحیت کی نئی تعبیر، خاندانی نظام کی تشکیل اور عالمی اتحاد۔

اہم رسوم

اجتماعی شادیوں کی تقریبات، منظم تربیت اور عالمی تبلیغ۔

تنقیدی تجزیہ

سرد جنگ کے دور میں اس کے بعض مغربی حکومتوں سے تعلقات پر بحث ہوئی، خصوصاً اس کی شدید کمیونزم مخالف سرگرمیوں کے باعث، مگر اسے کسی ریاست کی تخلیق ثابت نہیں کیا جا سکا۔

5۔ فالون گونگ (Falun Gong)

تعارف

چین میں نوّے کی دہائی میں وجود میں آنے والی ایک روحانی و جسمانی مشقوں پر مبنی تحریک۔

مقاصد

اخلاقی تطہیر، جسمانی صحت اور روحانی ترقی۔

اہم رسوم

مخصوص جسمانی ورزشیں، مراقبہ اور اخلاقی تعلیمات۔

تنقیدی تجزیہ

چین کی حکومت اسے خطرہ سمجھتی ہے، جبکہ مغربی ممالک میں اسے مذہبی آزادی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ بعض حلقے مغربی حمایت کو سیاسی قرار دیتے ہیں، لیکن اس کی اصل تخلیق کے بارے میں استعماری منصوبے کا معتبر ثبوت موجود نہیں۔

6۔ ہرے کرشنا(ISKCON)

تعارف

یہ تحریک بیسویں صدی میں اے۔ سی۔ بھکتی ویدانتا سوامی پربھوپادنے عالمی سطح پر منظم کی۔

مقاصد

کرشن بھگتی، بھجن، گیان اور سادہ مذہبی زندگی۔

اہم رسوم

"ہرے کرشنا" منتر کا مسلسل ورد، اجتماعی کیرتن، سبزی خور غذا اور مندر کی عبادت۔

تنقیدی تجزیہ

یہ ایک منظم تبلیغی تحریک ہے۔ اس کے عالمی پھیلاؤ میں مغربی معاشروں کی ثقافتی فضانے مدد کی، مگر اسے استعماری تخلیق نہیں کہا جا سکتا۔

7۔ وِکا (Wicca) اور جدید نیوپیگن تحریکیں

تعارف

یہ جدید مغربی نو-بت پرستانہ (Neo-Pagan) تحریکیں ہیں جو قدیم یورپی مذہبی روایات کو نئے انداز میں زندہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

مقاصد

فطرت سے تعلق، نسائی روحانیت، موسمی تہوار اور جادوئی رسومات۔

اہم رسوم

قدرتی تہوار، دائرۂ عبادت، علامتی جادو اور مخصوص دعائیں۔

تنقیدی تجزیہ

یہ جدید مغربی معاشروں میں روایتی مذہب سے دوری کے رجحان کا حصہ ہیں، نہ کہ کسی ثابت شدہ استعماری منصوبے کا نتیجہ۔

دوسرے مرحلے کا مجموعی نتیجہ

جدید روحانی تحریکوں کی اکثریت کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ انہیں کسی سامراجی طاقت نے براہِ راست تخلیق کیا۔ البتہ ان میں سے بہت سی تحریکیں جدید سرمایہ دارانہ ثقافت، میڈیا، اشاعتی صنعت، نفسیاتی رجحانات اور عالمگیریت (Globalization) کے ماحول میں تیزی سے پھیلیں۔ بعض نے مذہب کو انفرادی تجربے تک محدود کیا، بعض نے روایتی عقائد کی جگہ ذاتی روحانیت کو فروغ دیا، اور بعض نے روحانیت کو تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ جوڑ دیا۔

اسی لیے متعدد مذہبی مفکرین انہیں "جدید ثقافتی روحانیت Cultural) " (Spirituality قرار دیتے ہیں، نہ کہ کلاسیکی آسمانی مذاہب۔

تیسرا مرحلہ

(جدید سیکولر نظریات جنہیں بعض مفکرین "مذہب نما نظام" یا "عصرِ جدید کے مذاہب" قرار دیتے ہیں)

یہاں "مذہب" سے مراد آسمانی دین نہیں بلکہ ایسا نظریاتی نظام ہے جو انسان کو کائنات، انسان، اخلاق، نجات، مستقبل اور اجتماعی زندگی کے بارے میں ایک جامع تصور دیتا ہے۔ جدید فلسفہ، سماجیات اور سیاسیات کے متعدد اہلِ علم نے ان نظریات کو Political Religions، Civil Religions، Secular Religions یا Quasi-Religions جیسے نام دیے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حقیقتاً الہامی مذاہب ہیں، بلکہ یہ کہ یہ بعض مذہبی اوصاف اختیار کر لیتے ہیں، جیسے مطلق عقیدہ، مقدس شخصیات، علامتیں، رسوم اور ایک جامع نظریہ حیات۔

1۔ سیکولر ہیومنزم (Secular Humanism)

تعارف

یہ نظریہ انسان کو کائنات کا مرکز قرار دیتا ہے اور اخلاق، قانون اور سماجی نظم کو وحی کے بجائے انسانی عقل، تجربے اور باہمی رضامندی کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے۔

مقاصد

ایسا معاشرہ تشکیل دینا جہاں مذہبی اتھارٹی کے بجائے انسانی عقل، سائنسی تحقیق اور فردی آزادی کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔

اہم "رسوم"

اگرچہ اس میں عبادات نہیں، لیکن انسانی حقوق کی تقریبات، سیکولر اخلاقی تعلیم، علامتی تقاریب، اور مذہب سے آزاد سماجی اداروں کی تشکیل اس کی عملی صورتیں سمجھی جاتی ہیں۔

تنقیدی تجزیہ

اسلامی مفکرین کے نزدیک اس کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اخلاق کو خالقِ کائنات سے جدا کر دیتا ہے۔ بعض مغربی ناقدین بھی کہتے ہیں کہ یہ غیر شعوری طور پر "انسان" کو وہ مقام دے دیتا ہے جو روایتی مذاہب میں خدا کو حاصل تھا۔

2۔ کمیونزم (Communism)

تعارف

مارکس، اینگلز اور بعد میں لینن و دیگر مفکرین نے اس نظریے کو منظم کیا۔ اس میں طبقاتی جدوجہد، نجی ملکیت کے خاتمے اور طبقاتی مساوات پر زور دیا جاتا ہے۔

مقاصد

طبقاتی استحصال کا خاتمہ اور ایک مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنا۔

اہم "رسوم"

انقلابی اجتماعات، سرکاری نظریاتی تعلیم، انقلابی ترانے، رہنماؤں کی تصاویر، یادگاری دن اور جماعتی وفاداری۔

تنقیدی تجزیہ

بعض فلسفیوں جیسے ریمون آرون اور ایرک فوگلن نے کمیونزم کو ایک "سیاسی مذہب" قرار دیا، کیونکہ اس میں نجات (کلاس لیس سوسائٹی)، مقدس متن (مارکسی لٹریچر)، پیغمبر نما بانی (مارکس) اور انقلابی عقیدہ موجود ہے۔ اسلامی تناظر میں اس کا سب سے بڑا اختلاف الحاد اور مادی فلسفہ ہے۔

3۔ فاشزم (Fascism)

تعارف

یہ ایک قوم پرستانہ اور مطلق العنان نظریہ ہے جس نے بیسویں صدی میں بعض ممالک میں اقتدار حاصل کیا۔

مقاصد

ریاست اور قوم کو فرد پر مطلق برتری دینا، مضبوط قیادت اور قومی عظمت کا تصور۔

اہم "رسوم"

سلامی، پرچم، جلوس، قائد کی شخصیت کا تقدس اور قومی علامات کی غیر معمولی تعظیم۔

تنقیدی تجزیہ

متعدد مؤرخین نے فاشزم کو "Political Religion" قرار دیا کیونکہ اس میں ریاست اور قائد کو تقریباً مقدس حیثیت دے دی جاتی ہے۔

4۔ انتہا پسند قوم پرستی (Extreme Nationalism)

تعارف

حب الوطنی ایک مثبت جذبہ ہو سکتی ہے، لیکن جب قوم کو حق و باطل کا آخری معیار بنا دیا جائے تو اسے انتہا پسند قوم پرستی کہا جاتا ہے۔

مقاصد

قوم یا نسل کو ہر دوسری شناخت پر فوقیت دینا۔

اہم "رسوم"

قومی اساطیر، قومی شہداء کی تقدیس، مخصوص تاریخی بیانیہ اور قومی شعار۔

تنقیدی تجزیہ

اسلام قوم سے محبت کو جائز سمجھتا ہے، لیکن قوم کو دین، عدل اور حق سے بلند مقام نہیں دیتا۔ قرآن کے مطابق اصل معیار تقویٰ اور عدل ہے، نہ کہ نسل یا قوم۔

5۔مارکیٹ فنڈامنٹلزم (Market Fundamentalism)

تعارف

یہ تصور آزاد منڈی کو تقریباً ہر سماجی مسئلے کا حل سمجھتا ہے۔

مقاصد

ریاستی مداخلت کم سے کم ہو اور منڈی خود تمام مسائل حل کرے۔

اہم "رسوم"

مسلسل صارفیت، برانڈ کلچر، سرمایہ کاری کی ثقافت اور معاشی کامیابی کو اعلیٰ ترین قدر سمجھنا۔

تنقیدی تجزیہ

بعض سماجی مفکرین کے نزدیک جدید سرمایہ داری نے "مصرف" (Consumption) کو ایک نئی عبادت کی شکل دے دی ہے۔ اسلامی معاشی فکر اس تصور سے اس لیے اختلاف کرتی ہے کہ وہ عدل، زکوٰۃ، خمس، احتکار کی ممانعت اور اخلاقی تجارت کو لازمی قرار دیتی ہے۔

6۔ٹرانس ہیومنزم (Transhumanism)

تعارف

یہ جدید فلسفیانہ تحریک ٹیکنالوجی کے ذریعے انسان کی جسمانی، ذہنی اور حیاتیاتی صلاحیتوں کو غیر معمولی حد تک بڑھانے کی حامی ہے۔

مقاصد

بڑھاپے، بیماری اور حتیٰ کہ موت پر قابو پانا، مصنوعی ذہانت اور حیاتیاتی انجینئرنگ کے ذریعے "نئے انسان" کی تخلیق۔

اہم "رسوم"

یہ مذہبی رسوم نہیں رکھتی، لیکن اس کی کانفرنسیں، تحقیقی ادارے اور مستقبل کے بارے میں خاص تصور اس کی شناخت ہیں۔

تنقیدی تجزیہ

اسلامی نقطۂ نظر سے علاج، سائنس اور ٹیکنالوجی مثبت ہیں، لیکن اگر انسان خود کو خدا کی جگہ حتمی اختیار کا مالک سمجھنے لگے یا انسانی فطرت کو محض قابلِ ترمیم مادہ قرار دے، تو یہ توحیدی تصورِ انسان سے متصادم ہو سکتا ہے۔

7۔ ٹیکنوازم (Technicism)

تعارف

یہ وہ رجحان ہے جس میں ہر انسانی مسئلے کا حل صرف سائنس اور ٹیکنالوجی میں تلاش کیا جاتا ہے۔

مقاصد

ٹیکنالوجی کو ترقی کا واحد معیار بنانا۔

تنقیدی تجزیہ

اسلام علم اور سائنس کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن انہیں اخلاق، وحی اور عدل سے جدا نہیں کرتا۔

تیسرے مرحلے کا مجموعی نتیجہ

جدید دنیا میں بعض نظریات نے مذہب کی جگہ لینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے انسان کو زندگی کا مفہوم، اجتماعی شناخت، اخلاق، مستقبل کی امید اور ایک قسم کی "نجات" کا تصور دیا، مگر ان کی بنیاد وحی پر نہیں بلکہ انسانی فکر، سیاسی فلسفے یا معاشی مفروضات پر تھی۔ اسی وجہ سے متعدد فلسفیوں نے انہیں "سیکولر مذاہب" یا "سیاسی مذاہب" کہا ہے۔ قرآن و اہل بیتؑ کی تعلیمات کے تناظر میں ان نظریات کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ان میں کسی نہ کسی درجے میں توحید کی جگہ انسان، ریاست، قوم، سرمایہ یا ٹیکنالوجی کو مرکزیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلام ان تمام شعبوں کی اہمیت تسلیم کرتا ہے، لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی، عدل اور اخلاق کے تابع رکھتا ہے۔

چوتھا مرحلہ

(مذہب کی تخلیق سے زیادہ، مذہب کے استعمال کی تاریخی مثالیں)

تاریخی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ استعماری طاقتوں نے ہمیشہ نئے مذاہب تخلیق نہیں کیے، بلکہ زیادہ تر موجود مذہبی اختلافات، فرقوں، نسلی تقسیموں اور مقامی قیادتوں کو اپنے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کیا۔ متعدد ممتاز مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ "مذہبی انجینئرنگ (Religious Engineering) "یعنی مذہبی شناختوں کی تشکیل، تقسیم یا سرپرستی، نوآبادیاتی حکمتِ عملی کا ایک اہم حصہ رہی ہے، اگرچہ ہر خطے میں اس کی نوعیت مختلف تھی۔

برطانوی سلطنت(British Empire)

برطانوی سلطنت کی عمومی حکمتِ عملی "تقسیم کرو اور حکومت کرو Divide and) " (Ruleکے اصول پر مبنی تھی۔ برصغیر، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ میں اس نے مختلف مذہبی، لسانی اور نسلی گروہوں کو الگ قانونی، تعلیمی یا انتظامی شناختیں دے کر ان کے درمیان فاصلہ بڑھایا۔ بعض مذہبی تحریکوں کو برداشت یا سہولت دی گئی، جبکہ بعض کو سختی سے دبایا گیا، اور اس کا معیار عموماً سیاسی مفاد تھا، نہ کہ مذہبی حقانیت۔

فرانسیسی نو آبادیاتی پالیسی

فرانس نے خصوصاً شمالی افریقہ اور شام و لبنان میں مقامی مذہبی و نسلی اقلیتوں کے ساتھ الگ انتظامی تعلقات قائم کیے۔ اس کا مقصد اپنے اقتدار کے لیے مقامی اتحادی پیدا کرنا تھا۔ اس عمل نے بعض اوقات فرقہ وارانہ شناختوں کو پہلے سے زیادہ مضبوط کیا۔

روسی سلطنت اور بعد ازاں سوویت یونین

روسی سلطنت نے سرحدی علاقوں میں بعض مذہبی گروہوں کو سیاسی مصلحت کے تحت تحفظ دیا اور بعض کو محدود کیا۔ سوویت دور میں صورتِ حال بدل گئی اور ریاست نے عمومی طور پر مذہب کو کمزور کرنے کی کوشش کی، لیکن بعض مواقع پر مخصوص مذہبی اداروں کو ریاستی نگرانی کے تحت چلنے دیا تاکہ معاشرے پر کنٹرول برقرار رہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ

بیسویں صدی میں، خصوصاً سرد جنگ کے دوران، امریکہ نے مختلف ممالک میں مذہبی اداروں، مشنری تنظیموں اور بعض مذہبی گروہوں کے ساتھ تعاون کیا۔ اس کا بنیادی مقصد اکثر کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنا یا اپنے جغرافیائی سیاسی مفادات کا تحفظ تھا۔ اس کا

مطلب یہ نہیں کہ ان تمام مذہبی اداروں کی بنیاد امریکہ نے رکھی تھی، بلکہ یہ کہ موجودہ مذہبی نیٹ ورکس بعض مواقع پر خارجہ پالیسی کے لیے مفید سمجھے گئے۔

مشنری تحریکیں

انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپی مشنری سرگرمیاں صرف تبلیغ تک محدود نہیں رہیں۔ بہت سے مقامات پر ان کے ساتھ اسکول، اسپتال، مطابع اور سماجی ادارے قائم کیے گئے۔ بعض علاقوں میں ان کا کردار خالص انسانی خدمت کا تھا، جبکہ بعض نوآبادیاتی تناظرات میں یہی ادارے ثقافتی اثر و رسوخ بڑھانے کا ذریعہ بھی بنے۔ اس لیے ہر مشنری سرگرمی کو ایک ہی زاویے سے دیکھنا تاریخی طور پر درست نہیں۔

فرقہ وارانہ شناختوں کا سیاسی استعمال

استعماری قوتوں نے متعدد خطوں میں یہ محسوس کیا کہ متحد مذہبی معاشرہ ان کے لیے زیادہ مشکل ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے بعض اوقات انہوں نے مختلف فرقوں، قبائل یا نسلی گروہوں کے درمیان موجود اختلافات کو انتظامی، سیاسی یا عسکری پالیسیوں کے ذریعے مزید نمایاں کیا۔ یہ عمل برصغیر، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے کئی حصوں میں مختلف صورتوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جدید دور کی "نرم مذہبی انجینئرنگ"

اکیسویں صدی میں مذہبی اثر اندازی صرف عسکری یا سیاسی ذرائع سے نہیں ہوتی بلکہ میڈیا، فلم، سوشل میڈیا، تعلیمی نصاب، غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) ، تھنک ٹینکس اور عالمی ثقافتی اداروں کے ذریعے بھی مذہبی و ثقافتی تصورات پر اثر ڈالا جاتا ہے۔ بعض محققین اسے "Soft Power" کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

قرآن و اہل بیتؑ کی روشنی میں تجزیہ

قرآن کریم بار بار اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ حق اور باطل کی کشمکش صرف عسکری میدان میں نہیں بلکہ فکر، ثقافت، معیشت اور سماجی اقدار میں بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن ہر اختلاف کو بیرونی سازش کا نتیجہ بھی قرار نہیں دیتا، بلکہ انسانی خواہشات، ظلم، تعصب، حسد اور اقتدار کی طلب کو بھی اختلافات کی اہم وجوہات میں شمار کرتا ہے۔
اہل بیتؑ کی تعلیمات بھی یہی اصول پیش کرتی ہیں کہ مؤمن کو نہ سادہ لوح ہونا چاہیے کہ ہر چیز کو اتفاق سمجھ لے، اور نہ ایسا بدگمان کہ ہر واقعے کو لازماً کسی خفیہ سازش کا نتیجہ قرار دے۔ اصل معیار دلیل، تحقیق، عدل اور بصیرت ہے۔

چاروں مراحل کا جامع خلاصہ

اس پورے مطالعے سے درج ذیل متوازن نتائج سامنے آتے ہیں:

بعض مذہبی تحریکوں کے بارے میں استعماری سرپرستی یا سیاسی فائدہ اٹھانے کے نسبتاً مضبوط تاریخی شواہد موجود ہیں، لیکن ان کی براہِ راست "تخلیق" ثابت نہیں۔

جدید روحانی تحریکوں کی اکثریت سماجی، ثقافتی اور فکری تبدیلیوں کی پیداوار ہے، اگرچہ عالمی میڈیا اور سرمایہ دارانہ نظام نے ان کے فروغ میں کردار ادا کیا۔

بعض سیکولر نظریات نے مذہب کی جگہ لینے کی کوشش کی اور اسی لیے کئی فلسفی انہیں "سیاسی" یا "سیکولر مذاہب" قرار دیتے ہیں۔

استعماری طاقتوں کی سب سے زیادہ ثابت شدہ حکمتِ عملی نئے مذاہب ایجاد کرنا نہیں بلکہ موجود مذہبی اختلافات، فرقوں اور شناختوں کو اپنے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کرنا رہی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہر دعوے کو تحقیق، تاریخی شواہد اور علمی معیار پر پرکھا جائے۔ جہاں کسی تحریک کے بارے میں قطعی ثبوت نہ ہو، وہاں اسے محض سازشی دعوے کی بنیاد پر استعماری تخلیق قرار دینا درست نہیں، اور جہاں تاریخی شواہد موجود ہوں، وہاں ان کا سنجیدہ اور تنقیدی مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

اس طرح ایک متوازن اسلامی تحقیقی منہج ہمیں نہ سادہ لوح بناتا ہے اور نہ ہی ہر تاریخی واقعے کی غیر ثابت شدہ تعبیر کو قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے، بلکہ دلیل، انصاف اور بصیرت کو فیصلہ کن معیار بناتا ہے۔

اختتامی کلمات:

اس تحقیقی مطالعے کے اختتام پر یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ دنیا کے مختلف ادیان میں پائی جانے والی بہت سی مشترک تعلیمات محض اتفاق یا ثقافتی تبادلے کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان میں سے ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی درجے میں اس الٰہی ہدایت کی باقی ماندہ جھلک ہے جو مختلف ادوار میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے انسانیت تک پہنچی۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے مقامات پر تحریف، فلسفیانہ تعبیرات، انسانی خواہشات، مقامی روایات اور تاریخی عوامل نے ان تعلیمات کی اصل صورت کو بدل دیا، جس کے نتیجے میں بظاہر ایک جیسے نظر آنے والے عقائد اور اعمال حقیقت، مقصد اور نتائج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے۔

قرآنِ کریم اور اہلِ بیتِ عصمت وطہارت علیہم السلام کی تعلیمات اس تقابلی مطالعے کے لیے وہ مستند معیار فراہم کرتی ہیں جس کی روشنی میں ہر مذہبی تصور کو اس کی حقیقی حیثیت کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی معیار کی بنیاد پر یہ کتاب اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ اسلام سابقہ الٰہی ادیان سے منقطع کوئی نیا مذہب نہیں، بلکہ وہی ابدی دین ہے جو اپنی کامل،

محفوظ اور جامع ترین صورت میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت علیہم السلام کے ذریعے انسانیت تک پہنچا۔

اگر یہ کتاب قاری کے اندر مختلف ادیان کے بارے میں علمی انصاف، حقیقت کی تلاش، قرآن و اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات پر اعتماد، اور اسلام کی جامعیت و عالمگیریت کو نئے انداز سے سمجھنے کا ذوق پیدا کر دے، تو یہی اس کوشش کی سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس معمولی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے، اسے حق کی معرفت، امت کی فکری رہنمائی اور انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، اور ہمیں ہمیشہ حق کو پہچاننے، اس پر عمل کرنے اور دوسروں تک حکمت و بصیرت کے ساتھ پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ادیانِ عالم کی ثقلینی تعلیمات سے مشابہت و اختلاف

دنیا کے مختلف ادیان میں پائی جانے والی مشترک تعلیمات کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ سب ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے وابستہ ہیں، یا ان کے درمیان بنیادی فکری اور اعتقادی فرق بھی موجود ہیں؟

یہ کتاب قرآنِ کریم اور اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو معیار بنا کر دنیا کے بڑے ادیان کا ایک منفرد تقابلی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ اس میں ہر مذہب کے عقائد، عبادات، اخلاق اور تمدنی تصورات کو علمی انداز میں پرکھا گیا ہے، تاکہ اصل وحی کی باقی ماندہ جھلک، انسانی فطرت کے مشترک تقاضوں اور بعد کی تحریفات کے درمیان واضح امتیاز قائم کیا جاسکے۔

تقابلی ادیان، اسلامی فکر اور قرآن فہمی سے دلچسپی رکھنے والے ہر سنجیدہ قاری کے لیے یہ کتاب علم، بصیرت اور فکری رہنمائی کا ایک قابلِ قدر سرمایہ ہے۔

ترتیب و تدوین : سید جہانزیب عابدی